Adam-i-Zarurat-i-Quran

Absence of any need for the Quran

Rev Allama G.L.Thakur Das

عدمِ ضرورتِ قرآن

علامہ جی ایل ٹھاکر داس

American Presbyterian Mission
PUNJAB RELIGIOUS BOOK SOCIETY
1886

"جس بات کا میں تم کو حکم دیتا ہوں اُس میں نہ تو کچھ بڑھانا اور نہ کچھ گھٹانا"

(توریت شریف کتاب استثنا ۴:۲)

"لیکن اگر ہم یا آسمان کا کوئی فرِشتہ بھی اُس خُوشخبری کے سِوا جو ہم نے تُمہیں سُنائی کوئی اَور خُوشخبری تُمہیں سُنائے تو ملعُون ہو"۔

(انجیل مقدس خط گلتیوں ۱:۸)

Do not add to what I command you and do not subtract from it,

Deuteronomy 4:2

But even if we or an angel from heaven should preach a gospel other than the one we preached to you, let them be under God's curse!

Galatians 1:8

Adam-i-Zarurat-i-Quran

<u>Absence of any need for the Quran</u>

Rev Allama G.L.Thakur Das

Showing that what that book has added to divine revelation is incorrect, while its re-statement as a fresh revelation of truths already promulgateri was unnecessary, with appendices on the Paraclete and "that prophet" (John1:20)

عدمِ ضرورتِ قرآن

تصنیف

علامہ پادری جی ایل ٹھاکر داس

امریکن یونائیٹڈ پریسبٹیرین مشن

پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی کے لئے لودیانہ

مطبع مشن لودیانہ میں باہتمام پادری سی۔بی نیوٹن صاحب مطبوع ہوا

۱۸۸۶ء

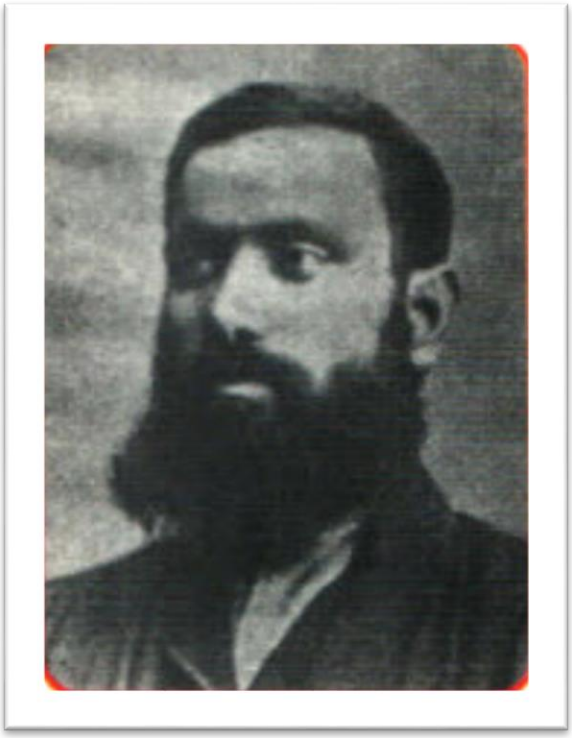

Rev Allama G.L.Thakur Das
1852 - 1910

عدمِ ضرورتِ قرآن

دیباچہ

شکر اور تعریف حق سبحانہٗ تعالیٰ، خالق زمین وزمان، مالک کون ومکان کو ہو جو اپنے انتظامِ خاص سے انسان کے حالاتِ پاکیزہ اور آلودہ کا نگران حال رہتاہے اور اپنی محبت سے اس کی ہدایت کرتاہے اور ہدایت کے لئے وہ ہدایت نامہ بخشاہے جو بائبل کہلاتاہے اور اسی آسمانی ہدایت کو انسان کے لیے ہر امر ونہی (حکم وممانعت) کا کامل مخزن ٹھہرایا، جو فریبیوں اور جھوٹے پیشواؤں کی آزمائش کی کسوٹی کا بھی کام دیتی ہے۔ اس بائبل کی یہ حالت ہر تجاوز اور آمیزش کی مانع (منع کرنے والی) ہے۔ ایسا کرنے والوں کے حق میں وہ خوفناک کلمے کہتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اپنے تئیں کچھ ظاہر کرنے کا موقع پاکے اور خدا کے کلام کا کچھ لحاظ نہ کرکے اپنی باتوں اور خیالوں کو مقدم ٹھہرانے لگتے ہیں۔ وہ جو اپنی عقل کے طریق پر چلتے ہیں اگر ان میں گاہے گاہے ایسے پیشوا اٹھیں تو کچھ اندھیر کی بات نہیں ہے، جیسے برہمو سماج، آریا سماج اور کوکا سماج وغیرہ اس ملک میں اور بدھا، کنفیوشس اور لامہ وغیرہ سلطنت چین میں۔ لیکن اگر دائرہ مشاہدات ربانی میں ہو کر خود پسندی کی غرض سے ایسی گستاخی اور بے تمیزی ظہور میں آئے تو افسوس صد افسوس ہے! اور یہ اس حال میں جب اظہار ربانی کی باتیں چُرا کے اور نیز مان کے اور قدرے عمل کرکے اسی کے برخلاف لات اٹھائی جائے یا برابری کا ادعا (دعویٰ کرنا) ظہور میں آئے۔ ایسوں کی یہ حرکت خود انہیں شرمندہ اور نالائق ٹھہراتی ہے۔

حقیقتاً ہمیں پوپ پر اس قدر رنج نہیں جس قدر حضرت محمد صاحب پر ہے۔ گو نیت دونوں کی یکساں ہی ہو۔ ہمارے مسیحی برادران نے محمد صاحب اور اس کے قرآن کا خدا کی طرف سے نہ ہونا ثابت کیاہے اور بہت زور کے ساتھ کیاہے۔ لیکن تصنیف ہٰذا میں ان باتوں کا خیال نہیں کیا گیاہے کہ آیا محمد صاحب نے معجزے کیے یا صاف انکار ہی کیا، نبوت کی یا نہ کی، ایک عاشق مزاج آدمی تھا یا نہ تھا وغیرہ۔ مگر اس بات کا اندازہ کیا گیاہے کہ اگر محمد صاحب نبی ہو اور قرآن کلام خدا ہو، تاہم قرآن کی ضرورت کیاہے؟ آیا جب قرآن نہ تھا تو کیا قرآن والی باتیں لوگوں کو معلوم نہ تھیں؟ یا وہ باتیں اگلی کتابوں میں نہ تھیں؟ اس بات کو ہم نے اپنے مضمون کا مرکز ٹھہرا کر اس امر کی تفتیش مناسب سمجھی اور بموجب ہماری تحقیقات کے قرآن کا کلام اللہ اور محمد صاحب کا نبی ہونا تو بجائے خود وہ تو ایک جعل (دھوکا۔ جھوٹ) ثابت ہوا ہے اور ہمارے نزدیک جعلی کتاب وہ ہے جو نقل ہو کر اصل ہونے کا دعویٰ کرے۔ اصل ہونے کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یا وہ بات وحی ہی کی معرفت معلوم ہوئی۔ لیکن قرآن نے نقل ہو کر ایسی اصل کا دعویٰ کیا حالانکہ اس کا اس وقت کی مروجہ باتوں کا نقلی مجموعہ ہونا ثابت ہے، جس سے ظاہر ہے کہ قرآن ایک جعلسازی ہے اور اس لئے اس صورت میں بھی اس کی ضرورت نہیں ہے یعنی ہر دو حالتوں میں فضول ہے اور ضرورت اسی کتاب کی ہے جس کی قرآن خود تصدیق

کر تا ہے یعنی بائبل کی۔ بے شک محمد صاحب کو یہ طور (طریقہ) اختیار کرنا مناسب نہ تھا اور واجب ولازم تھا کہ خوب طرح دریافت کر کے بائبل مقدس کے مضامین سے واقفیت حاصل کرتے تو یہ قرآن مروجہ لکھنے کی نوبت نہ پہنچتی۔ اس بات سے محمدیوں کی جدید بناوٹ نسخ اور تحریف قرآن سے رد ہوتی ہے، کیونکہ واقعی امر کو منسوخ کہنا تو بے معنی کلام ہے اور پھر ان کو جن کی قرآن میں تکرار آئی ہے اور وہ باتیں جو قرآن میں نئے قصے معلوم ہوتے ہیں اور بائبل میں نہیں ہیں تو وہ دراصل نئے نہیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ ان کا مبدا بائبل نہیں، لیکن اَور پرانی کتابیں یا روایتیں ہیں۔ البتہ امور اخلاقیہ منسوخ ہو سکتے ہیں لیکن وہ امور جو مقرری ہیں (وہ منسوخ نہیں ہو سکتے)۔ مگر قرآن میں تو وہ بھی درج کر لیے ہیں، منسوخ کس کو کیا اور محرف کونسا ٹھہرا؟ اس لئے ہم نے کہا کہ اس حال میں قرآن کی رو سے یہ وہم بالکل رد ہوتا ہے۔ اور بائبل مقدس میں تو کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن سے منسوخ ہو سکے وہ تو اصلی ضروری اور پوری کتاب ہے۔ اور ناظرین اس رسالہ میں یہ سب امور آپ لوگوں پر خوب روشن ہو جائیں گے۔ حق شناسی اور انصاف سے غور کرو، خدا ہدایت بخشے گا۔

تمہید

نبی کی ضرورت تذکرہ

بعض علمائے جدید کا گمان ہے کہ جس طرح پہلے دنیا تاریک اور مختلف خیالوں میں غرق تھی اب بھی اسی طرح ہی ہے۔اس لئے اگر خدانے سابق میں نبی بھیجے تھے تواب بھی ان کی ضرورت ہے، کم سے کم ایک ایک توہر براعظم میں ہوناچاہیئے۔ہماری طرف سے اس کا یہ جواب ہے کہ نبی کی ضرورت، ضرورت پر موقوف ہے۔اگر کوئی امر انبیائے سلف سے رہ گیاجو انسان کی حاجات موجودہ اور آیندہ کے لئے نہایت ضروری ہے یاکسی امر میں ان سے خطاہوگئی جس کی تصحیح سوائے کسی مرسل کے نہیں ہوسکتی توکسی نبی کے آنے کی ضرورت ہے۔لیکن اگرکتب الہامیہ مسیحی میں کمی نہیں اور کسی امر میں قاصر نہیں ہیں،توکسی اور نبی کا ذکر کرنا بھی عبث ہے۔اگر ایک الہام مستند اور کامل موجود ہے تودوسرے کی حاجت نہیں۔اس اثنا میں ہمیں ایک دوزخی اور ایک بہشتی کی گفتگو یاد آتی ہے (لوقا۱۶:۱۹۔۳۱)۔دوزخی نے اپنے قیاس میں مناسب سمجھ کر یہ عرض کی کہ اگر کوئی مردوں میں سے ان کے (اس کے رشتہ داروں کے) پاس جائے تووہ توبہ کریں گے۔بہشتی نے جواب دیاکہ جب وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہیں سنتے تواگر مردوں میں سے کوئی اٹھے تواس کی بھی نہ مانیں گے۔پس فرض کروکہ اب کوئی نبی بھیجاجائے تواسے کیاکرناپڑے گا،یہ کہ اپنی رسالت ثابت کرے۔

اولاً۔ وہ مرد خداجو آج ظہور دکھائے اپنی رسالت کے کون سے ظاہری ثبوت دے گااور ہم اس سے کیسے ثبوت طلب کریں گے ؟ظاہری، وہ جنہیں ہمارے ظاہری حواس تسلیم کرسکیں اور دھوکے کی صورت میں نہ ہو۔توکیاوہ اپنے ملہم(الہامی) ہونے کا سلف سے زیادہ تر صریح ثبوت دے سکے گا۔وہ کون ساامر ظاہر کرے گاجس کی مثال ہم نے سنی یادیکھی نہ ہو۔کیاوہ دریائے چناب کودوحصے کردے گا؟مگر موسیٰ نے بحر قلزم کایہ حال کیا۔کیاوہ وباوغیرہ سے ہندوستان کو تحیر میں ڈالے گا؟یہ بھی موسیٰ نے کردکھایا۔کیاجنم کے اندھوں کو آنکھیں دے گا؟یہ خداوند یسوع مسیح(عیسیٰ) نے کردکھایا۔کیامردوں کوزندہ کرے گا؟یہ بھی خدائے مجسم نے چاردن کامردہ زندہ کرکے دکھادیا۔پس ان سے بڑھ کر کون ساکام کرے گا؟طوفان کودھمکائے گا؟پراس کو بھی دھمکی مل چکی ہے۔ہاں شاید ہم اس مرد خدانوآمدہ کو کہیں گے کہ عالم غیب کی خبر لائے۔سومسیح کی موت کویاد کرو۔پس اگر ایسی حرکات فوق العادت کو اپنے قائل ہونے اور ایمان لانے کی شرط پیش کریں گے تویہ توپیشتر بھی ظاہر ہوچکی ہیں۔ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اہل ہند ان کو کیوں نہیں مانتے،اس لئے اگر ان کو نہیں مانتے تواس کو بھی نہ مانیں گے۔

ثانیاً۔ وہ مردِ خدا جو یورپ میں، خواہ ایشیا میں ظاہر ہو کوئی غیب کی خبر دے گا یا نہ دے گا؟ نسل آیندہ کو بھی اس کی رسالت کا ظاہرا ثبوت چاہیئے یا نہ چاہیئے؟ پس اگر اخبارِ غیب بھی اثباتِ رسالت کی جزو میں داخل ہیں تو ہم اس سے لکھوا لیں گے اور نسل آیندہ ان کی صحت کو بچشم خود دیکھ لے گی اور یوں اس کی رسالت کے ثبوت میں ہمارے ساتھ متفق ہو گی۔ پر کیا انبیائے سلف اخبار غیب نہیں لکھ گئے؟ اور کیا قریباً ہر زمانہ نے ان کی تکمیل کو نہیں دیکھا اور کیا آج کل ان کا فرمودہ وقوع میں نہیں آتا؟ تو کیا ہم نے ان مانی ہے؟ جب ان کو نہیں مانا تو اس کو بھی نہ مانیں گے۔ دیکھتے ہوئے نہ دیکھنا اسی کو کہتے ہیں۔

ثالثاً۔ کیا وہ نبی ان حقائق سے افضل حقائق بیان کرے گا جو کتب الہامیہ مروجہ میں مندرج ہیں؟ ترتیب کی خاطر ہم حقائق کو چار قسموں میں لکھتے ہیں۔ (اول) خدا کی بابت، (دوم) انسان کی بابت، (سوم) گزشتہ اور (چہارم) آئندہ کی بابت۔

(اول) خدا کی بابت: خدا کی بابت ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بلحاظ بت پرستی وغیرہ کے ایک ہادیٔ (ظاہر) الٰہی کی ضرورت تھی۔ مگر یہود و عیسائیوں کے پاس انبیائے سلف کی وہ کتب الہامیہ موجود ہیں (جو پڑھے سو دیکھ لے) جن میں بت پرستی کی نسبت (خواہ کسی قسم کی ہو) سخت ہولناک امور موضوع ہیں۔ اور خدا کی ہستی اور دیگر صفات ایسے صریح طور سے بیان ہوئی ہیں کہ توضیح مزید کی حاجت نہیں رکھتیں ۔ خدا کی خدائی اور صفتیں جو دیکھنے میں نہیں آتیں لاریب (بے شک) اس کے کاموں پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر جب انسان باوجود ان کاموں کے اپنی عقلوں کی پراگندگی میں آوارہ ہوئے اور خالق کو مخلوق سے بدل دیا تو بے شک امداد الٰہی کی اشد ضرورت ہوئی، چنانچہ وہ حاجت رفع ہو گئی ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ نیا نبی خدا کی بابت اور کیا سکھائے گا؟ کیا صفات الٰہی کو بائبل سے بڑھ کر مکشوف اور مشروح کرے گا؟ اگر خدا کی ہستی، حکمت، قدرت، پاکیزگی، عدل، مہربانی، سچائی، بے انتہائی اور ہمہ دانی خدا کے لائق بیان نہیں ہوئی تو بیان دیگر کی حاجت ہے۔ مگر پیشتر اس سے کہ ہم کسی بیان ثانی کی ضرورت کے قائل ہوں ان صفات کی نسبت بیان الہامیہ کی کمی یا قصور اہل ملہم ثابت کر دیں تو بہتر ہو گا۔ تاوقتیکہ یہ نہ ہو کہ کسی نئے نبی کا تذکرہ فضول ہو گا۔ پھر کیا وہ رشتہ جو خدا اور انسان میں ہے، وہ نیا نبی توڑے گا یا محکم کرے گا؟ اگر اس سے انکار کرے تو کرے اور بہتر کر رہے ہیں اس کو بھی مثل اوروں کے سمجھ چھوڑیں گے اور اگر کہو کہ تقویت دے گا تو الہام بائبل کو کسی نوزاد نبی کی تقویت کی حاجت نہیں۔ اگر اس کی نہ مانو گے تو اس کی تقویت کو بھی عبث سمجھو گے۔

(دوم) انسان کی بابت: انسان کے فرائض کی بابت جو جو مذکور کتب الہامیہ میں درج ہو چکے ہیں، معنی میں اس سے کوئی اور بیان فضیلت لے جا سکتا ہے۔ "خُداوند اپنے خُدا سے اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبّت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دُوسرا اِس کی مانِند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبّت رکھ" (متی ۲۲:۳۷۔۳۹) ، کیا اس میں کچھ اور باقی رہ گیا ہے جو ہمیں پھر بھی کسی اور نبی کا محتاج رکھے؟ اس سے بڑھ کر ہم کیا کر سکتے ہیں اور خدا ہم سے کیا طلب کر سکتا ہے؟ ہاں اگر کہو کہ نیا نبی کچھ تخفیف کر دے گا تو ہم

کہتے ہیں کہ بے جا کرے گا اور اگر اس کی تقویت کرے گا تو جب تم نے پہلوں کو نہ مانا تو پچھلے کی کب مانو گے۔ اس لحاظ سے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر وہ نبی خدا اور انسان کے میل اور صلح کا کون سا طریقہ بڑھ کر بتائے گا؟ شاید ہمارے نوجوان ہم عصروں کی تائید کرے گا کہ نجات کچھ حقیقت نہیں، بے ہودہ خیال ہے اور کفارہ ایک وسوسہ ہے اور نیکی کو صلح کا ذریعہ بیان کرے گا۔ اور یا ان باتوں کے خلاف سکھائے گا یعنی نیکی جس قدر مطلوب ہے، ہو نہیں سکتی اور اس لئے خدا سے عداوت جاری رہے گی اور صلح کبھی نصیب نہ ہو گی۔ اور اس لئے کفارہ ہی نجات کا کافی وشافی وسیلہ ہے، مگر نیکی کرنا تو ہماری طبیعت ہی گواہی دیتی ہے کہ بھلا ہے اور الہام سابقہ میں بھی اس کی تاکید معہ امور نیک کے آچکی ہے۔ اس لئے اگر وہ نبی فقط اسی قدر مژدہ لے کر آئے تو بہتر ہے کہ نہ آئے۔ یہ تو ہم خاطر خواہ جان چکے ہیں۔ اور اگر وہ یہ پکارتا ہوا آئے کہ نجات ایک ضروری امر ہے اور کہ نجات کا انحصار کفارہ ہی پر ہے تو اس امر میں بھی الہام نے ہماری پوری تسلی کر رکھی ہے۔ اور بالفرض اگر کوئی نبی ظاہر ہو بھی جائے تو ہمارے ہم عصر صرف یہ کہہ دیں گے کہ تسلیم الہام کی تو عادت ہی نہیں، ہمارا کچھ اور ہی مت (عقل) ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب بائبل کو نہ مانا تو اور کو کس طرح مانیں گے۔ نہ مانیں گے، نہ مانیں گے، نہ مانیں گے۔

(سوم) گزشتہ کی بابت: گزشتہ کی بابت وہ نیا نبی کون سی نئی بات بتائے گا یا مظہر شدہ میں کون سا نقص بیان کرے گا؟ کائنات کا عدم سے موجود ہونا قادر مطلق کی قدرت کے کامل ظہور پر دلالت کرتا ہے۔ اب کیا اگر وہ اس بیان مظہور کی تائید کرے تو یہ لوگ مانیں گے، اگر اس کی مانیں گے تو الہام موجودہ ہی کو کیوں نہیں مانتے؟ دنیا میں گناہ کے آنے کی کوئی نئی صورت بیان کرے گا یا الہام موجودہ کا موید (تائید کرنے والا) ہو گا؟ اگر ہم اس کی ماننے پر تیار ہیں تو کتب الہامیہ انبیائے سلف سے کیوں دل ڈر ڈر کے بغل میں دھسا جاتا ہے؟ جب خدا کی طرف سے تواتر انبیا کا ہو گا تو اختلاف نہیں، ان کے کلام میں یکسانی پائی جائے گی۔ چنانچہ یہ امر انبیائے عہد عتیق وجدید کی موافقت سے عیاں ہے۔ اور اگر اس کے خلاف بتائے گا تو مخالفت پیشتر بھی موجود ہے اور پھر یہ لوگ کہیں گے کہ الہام الٰہی میں بھی اندھیر پڑ رہا ہے اور ہر دو حالت میں تسلیم کرنے سے متنفر رہیں گے۔

(چہارم) آیندہ کی بابت: آیندہ کی نسبت جس قدر انسان اندیکھی چیزوں کو تعریف سخن سے سمجھ سکتا ہے کیا بائبل میں بیان نہیں ہوا؟ ابدیت، ابدی خوشی اور ابدی عذاب کو انسان بغیر آزمائے کس قدر قیاس میں لا سکتا ہے؟ کیا اس کی قابلیت کے بموجب آیندہ کا صحیح بیان نہیں ہوا۔ پس وہ نبی بڑھ کر کیا بتائے گا، جب پاس والی خبر کو نہ مانیں تو اس نئے حامی کی کیونکر مانیں گے۔

رابعا: کیا اس نئے نبی کی تعلیم اور اس کی تعمیل سے زیادہ تر فوائد حاصل ہوں گے؟ بائبل کی تعلیم نے تو دنیا کے وسوسوں کو زیر وزبر کر دیا ہے۔ انسان کے جسمانی اور روحانی تقاضے اس کی تعمیل سے پورے ہو رہے ہیں۔ وہ انسان جو پایہ انسانیت سے گر گئے تھے ان کو بحال کر دیا ہے اور کر رہی ہے۔ کیا اس نبی کی تعلیم سے ان سے بڑے فوائد دنیا کو حاصل ہوں گے۔ مگر بائبل مقدس اپنے کاموں سے ظاہر کر رہی ہے کہ وہی اس

کام کے لئے مقرر ہوئی۔ پس جب ایسی ہدایت طاہر ،ماہر اور ظاہر کے شنوانہ ہوئے تو دوسرے کی بھی نہ سنیں گے۔ امور مذکورہ بالا کے سبب سے ہم قرآن وغیرہ کو بے فائدہ اور فضول جانتے ہیں، کیونکہ الہام کتب مقدسہ بائبل کامل ہے اور لازم ہے کہ اسی کی سنیں اور بچیں۔

نبی کی ضرورت پر ایک جالندھری مسلمان کی پہلی تحریر کے جواب میں

واضح ہو کہ نبی کی ضرورت کے لئے مسیح کو ایک نبی اور روح القدس کو دوسرا نبی اور مسیح کی روحانی بادشاہی کو تیسرا نبی سمجھ کر تسلسل انبیا کی ضرورت منتج (نتیجہ) کرلینا کیا عمدہ دقیقہ (خفیف معاملہ) ہے! ان تینوں کو تو ہم ایک ہی صیغہ کے جزو سمجھتے تھے اور واقعی ایسا ہی ہے۔ اور اس مضمون کے لکھنے سے ہماری غرض اس نبی یا نبیوں سے تھی جو اس دائرہ سے باہر ہیں۔ بلحاظ مثال ہم محمد صاحب کو نذر ناظرین کرتے ہیں۔ اور یہ جو کسی جالندھری مسلمان نے اقوال مسیح تحریر کئے کہ میں زمانہ کے آخر تک تمہارے ساتھ رہوں گا (متی ۲۸: ۲۰) اور کہ جہاں دو یا تین بھی اکٹھے ہو کے میرے نام سے کچھ مانگیں تو میں انہیں بخشوں گا (متی ۱۸: ۲۰؛ یوحنا ۱۴: ۱۳۔ ۱۴) ۔ سو یاد رہے کہ یہ وعدے فقط مسیحیوں سے ہیں اور جب مسیحی ان باتوں کو یاد کرتے ہیں تو انہیں اپنی حالت زندگی میں بڑی تسلی پہنچتی ہے۔ مسیح کا یہ وعدہ تو کسی غیر نبی کی ضرورت کو اور بھی برطرف کرتا ہے۔ پھر اگر ان وعدوں ہی پر غور کریں تو کیا خداوند کا مسیحیوں کے ساتھ رہنا اور ان کی دعاؤں کا سننا مسیحیوں کو مضامین مندرجۂ بائبل سے کبھی افضل بیان القا کرنے کا موجب ہوتا ہے ؟ ہر گز نہیں۔ کیا کوئی عارف کہہ سکتا ہے کہ میں پولس سے سبقت لے گیا ہوں حتٰی کہ پولس کی نہیں اب میری ضرورت ہے ؟ مسیح کا ہمارے ساتھ رہنا اور دعاؤں کا سننا بائبل کو برطرف نہیں کر دیتا، مگر بائبل کی صداقت کا ایک ثبوت ٹھہرتا ہے۔ تو کیا ان روحانی نعمتوں کو جو رسول مقبول بائبل میں درج کر گئے اگر ہمیں حاصل ہوں تو ہم کہیں گے کہ اب دوسرا نبی چاہیئے اور پھر تیسرا نبی چاہیئے وغیرہ۔ ان ہی نعمتوں کے سبب ہم بار بار کہتے ہیں کہ کسی غیر نبی کی ضرورت نہیں۔

قَولُہٗ ۔(قَو۔لُ۔ہُو) (اس کا قول) اگر اُن مرسلوں (مرسل: بھیجنے والا۔ خط بھیجنے والا) جیسے جو پچھلے زمانوں میں خدا پرستوں کی ہدایت کے لئے بھیجے جاتے تھے، اگر اب بھی بدستور ارسال ہوتے رہیں تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا اور بعد اس کے آپ لکھتے ہیں کہ ہمارا زمانہ رواں کسی قسم کی کرامات و معجزات دیکھنے کا چنداں محتاج نہیں۔ تو کہیے صاحب ان مرسلوں کی شناخت کی کیا صورت ہوگی۔ معجزات وغیرہ دیکھنے کے آپ محتاج نہ ہوں گے مگر ان ایام رواں میں ہم کیا ہمارے جیسے کروڑہا بن دیکھے پاس نہ بیٹھنے دیں گے۔ اگر آپ ان کے بدستور ارسال کے قائل ہو تو بدستور کرامات سے کیوں منہ پھیرا۔ اسی لئے کہ فریبی بھی مرسلوں میں چل جائیں۔ دستور سابقہ جاری رکھنا اور نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھا اور اس کی عدم ترویج سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس میں زیادہ فائدہ نہ دیکھا۔ اگر مرسل سلف سے شکوک وشبہے رفع نہیں ہوتے تو یاد رہے کہ ان سے زیادہ گھول کے نہ کسی نے پلایا، نہ کوئی پلائے گا۔ مسیح سے اب تک قریب دو ہزار برس ہوتے آتے ہیں۔ تو کون سا بڑا شارح پیدا ہوا جس نے مسیح کو مات کر دیا۔ کیا محمد صاحب، کیا نانک، کیا بابو کشیپ چندر سین یا سید احمد خان بہادر (ہمہ مصلحین بے کرامت) کا وہاں تک دست فہم پہنچا ہے ؟ اور با کرامت تو کوئی ہوا ہی نہیں۔ ان سب کے ظاہر ہونے سے سوائے اختلاف کے کیا حاصل ہے۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ نہ کسی

نبی بے کرامت اور نہ نبی باکرامت کی ضرورت ہے۔بے کرامت تو اختلاف کا باپ ہو گا اور باکرامت یاالہامی بڑھ کر کچھ نہ کہہ سکے گا۔اور پھر بائبل سے فائدہ پہنچ رہاہے تو اس کا مکتفی ہونا کسی غیر نبی کی ضرورت کو عدم ضرورت میں ڈالتا ہے۔

قَولُہ ٗ۔ فرمایئے کون مسیحی ایسا دعویٰ کر سکتاہے کہ بائبل [1]میں مقدمہ نجات کے سوائے حال اور استقبال کے جتنے ماہیات ہیں سب کے سب بہ تشریح بیان ہو چکے ہیں یا کسی کی سمجھ میں پورے طور پر آ گئے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم وہ بیان جو آیندہ کی نسبت از منجانب مسطور (اوپر لکھا گیا) ہوا دوبارہ لکھتے ہیں یعنی آیندہ کی نسبت جس قدر انسان ان دیکھی چیزوں کو تعریف یا نظیر سے سمجھ سکتاہے کیا بائبل میں بیان نہیں ہوا؟ابدیت،ابدی خوشی اور ابدی عذاب کو انسان بغیر آزمائے کس قدر قیاس میں لاسکتاہے کیااس کی قابلیت کے بموجب آیندہ کا صحیح بیان نہیں ہوا؟ مگر آپ کہتے ہیں کہ مثلاًروح اور اس کے مونزیات قیامت اور عدالت،دوزخ اور بہشت،بعد از مرگ روحوں کی کیفیت وغیرہ کی کس نے ایسی تصریح (واضح کرنا) کے ساتھ شرح (تفسیر) دی ہے کہ شک کے لئے جگہ نہ چھوڑی ہو۔

اگر آپ عقلی شرح کے محتاج ہیں تو سیری بھی کبھی نہ ہو گی اور اگر کہو کہ یہ امور بائبل میں بھی بطریق مشتبہ بیان ہوئے ہیں تو بائبل کو پھر پڑھو۔اظہار بائبل روح کی نسبت یہ ہے کہ وہ جسم سے علیٰحدہ شے ہے (متی ۱۰:۲۸؛۱۔ تھسلنکیوں ۵:۲۳) ۔بقائے روح کی ایک اور وصف ہے اور یہ وصف انجیل کے ان مقامات سے مصرح (صراحت کرنے والا) ہے جہاں ہمیشہ کی زندگی اور ہمیشہ کے عذاب کا ذکر ہے۔قیامت کی بابت مسیح اور اس کے رسولوں نے نہ صرف تعلیم ہی دی جیسالوقا ۱۴:۱۴ اور اعمال ۲۴:۱۵ سے مصرح ہے اور نہ صرف صدوقیوں کو انکار قیامت کی نسبت ملامت ہی کی (مرقس ۱۲:۱۸۔۲۵) بلکہ خود مردوں میں سے اٹھ کر ایسا واضح کر دیا کہ شک وشبہ کی تاب کو بے تاب کر دیا۔عدالت کی نسبت بھی بائبل ایسی تصریح کے ساتھ شرح دیتی ہے کہ شک گداز ہوتا ہے (دیکھو متی ۲۵:۳۱۔۳۲؛اعمال ۱۷:۳۱؛۲۔کرنتھیوں ۵:۱۰) ۔ بہشت اور دوزخ کی بابت بھی اکثر مقامات سے مصرح ہے کہ مقدم جائے آرام ہے اور موخر جائے عذاب۔ان امور کی بابت بائبل صاف صاف بیان کرتی ہے یعنی جس قدر انسان بغیر دیکھے ان امور کو قیاس میں لا سکتاہے اور جو جو کیفیت ان کی نسبت آیندےکے متعلق ہے،وہ اس زندگی میں نہیں دیکھی جاسکتی۔اور بعد از مرگ روحوں کا بھی اسی قدر مذکور ہوا ہے جس قدر بغیر تجربہ کے کسی چیز کو معلوم کر سکیں اور جو کچھ حال میں ان کی نسبت جاننا ضرور ہے،وہ تو مصرح ہے۔ہمیں خیال گزرتا ہے کہ آپ مفسروں کی لاعلمی وغیرہ پر اعتراض کرتے ہیں،مگر یاد رہے کہ مفسروں کی

[1] مخفی نہ رہے کہ قیامت اور عدالت،دوزخ اور بہشت وغیرہ وغیرہ جو مقدمہ ٔنجات آئندہ کے متعلق ہیں اور مقدمہ ٔنجات کے تعلقات میں سے جو جو ہماری اس زندگی کے متعلق ہیں یعنی جس کا جاننا،ماننا اور عمل کرنا قبل از مرگ ضرور ہے وہ تو بقول آپ کے سب کے سب بہ تشریح بیان ہو چکے ہیں۔پس صاحب ان کو تو جانو،مانو اور آئندہ میں باقیوں کو جان اور مان لینا جو اس دیس کے متعلق ہیں انہیں وہیں چل کے اور بھی اچھی طرح جان لیں گے اور جس قدر ان کی نسبت جاننا ضرور ہے،اس کی تشریح میں بائبل قاصر نہیں ہے۔

یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب ان باتوں کی وہ کیفیت معلوم کرنی چاہتے ہیں جو بائبل میں مکشوف نہیں ہوئیں۔ نبیوں کے الہام میں دخل بے جا دینے سے لاعلمی کیا گمراہی کی نوبت پہنچ جایا کرتی ہے۔

قَولُہ۔ مسیح کا خاص فرمودہ ہے کہ تمہارے سمجھانے کے لئے ابھی بہت باتیں باقی ہیں، مگر اس واسطے نہیں سمجھائی جاتیں کہ تم میں ان کی سمائی نہیں (اس لئے ہر زمانہ میں اور اب بھی نبی ضرور ہیں)۔

صاحب اگر اسی زمانہ میں وہ بہت باتیں حواریوں کو سمجھائی گئی ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کسی سمجھانے والے کی حاجت نہیں جو کچھ سمجھنا اور سمجھانا تھا انبیائے بائبل سمجھ کے سمجھا گئے۔ اب دوسرے کی کیا حاجت رہی۔ پھر یہ کہنا کہ روح القدس نے بھی حواریوں کی معرفت ایمانداروں پر پورا پورا مکاشفہ نہیں کیا، مسیح کے اقوال کے بالکل خلاف ہے کہ روح قدس تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گا۔ آخر میں آپ نے اس سامری عورت کا قول منقول کیا ہے کہ اس نے اپنے شبہات حضرت عیسیٰ کے سامنے پیش کر کے اقرار کیا کہ یہ سب باتیں تب ہی حل ہوں گی جب مسیح آئے گا۔ اگر سامریوں کے شبہات سے آپ واقف ہوتے تو یہ بات نہ کہتے۔ مگر ہر ناظرین بائبل پر روشن ہے کہ کیا تھے۔ پس واضح ہو کہ سامریوں اور یہودیوں میں مسیح کے آنے کی انتظاری تھی اور ان لوگوں نے ہر قسم کے شبہات کا حل مسیح کی آمد اول پر منحصر کر رکھی تھی اور مسیح نے آکر وہ شبہے حل کر دیئے۔ نیز وہ شبہ جو اس سامری عورت نے بیان کیا تھا اس لئے کسی دوسرے حل کرنے والے کی ضرورت لاحق نہیں، ناحق ہے۔

ساتھ ہی بعد اس سامری کے تذکرہ کے آپ نے مسیحیوں کی انتظاری بھی بیان کر دی کہ مسیح کے تشریف لانے پر ہزاروں اسرار اور عقدے منکشف ہو جائیں گے۔ بے شک وقت معینہ پر منکشف ہو جائیں گے۔ حجاب آئندہ اپنے وقت پر اٹھ جائے گا اور امور متعلقہ آئندہ کی باقی کیفیت بحیثیت ہماری قابلیت کے معلوم ہو جائے گی اور ضروری تجربے جو اس زندگی میں حاصل نہیں ہو سکتے، اس وقت حاصل ہو جائیں گے۔ اگر آئندہ کو زمانہ حال میں کھینچ لانے کی ضرورت ہے تو بے وقت ضرورت ہے۔ اس لئے اس کے لئے بھی کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ جو باتیں آئندہ کے لئے مقصود ہوئی ہیں، وہ آئندہ ہی میں منکشف ہوں گی۔ اس لئے ٹھہر جاؤ، صبر کرو، مسیح کو آلینے دو۔

پھر روح اور اس کے لوازمات مثل قیامت اور عدالت، دوزخ اور بہشت کی بابت اور بھی واضح ہو کہ یہ اسی حال میں فائدہ رکھتے ہیں اگر روح زندہ ہو یعنی روح کو بقا ہو اور اگر روح کو فنا ہے تو اس کو ان لوازمات سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ لیکن انجیل سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "مگر اب ہمارے منجی مسیح یسوع کے ظہور سے ظاہِر ہُوا جس نے مَوت کو نیست اور زِندگی اور بقا کو اُس خُوشخبری (انجیل) کے وسیلہ سے روشن کر دِیا" (۲۔ تیمتھیس ۱:۱۰)۔ اس سے یہ امر روشن ہوتا ہے کہ روح کو زندگی اور بقا ہے۔ اب معلوم کرو کہ اس بات کو مسیح نے کس طرح روشن کیا ہے۔ نہ اس طرح سے جیسے ڈاکٹر جانسن وغیرہ نے کیا ہے۔ فیلسوفوں کی توضیحات خیالی ہیں اور فرضی باتوں سے تائید کی جاتی ہیں، مگر انجیل کی توضیح حقیقت اور تجربہ پر مبنی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو انجیل یہ ادعا ظاہر نہ کرتی کہ زندگی اور بقا انجیل سے روشن کئے گئے ہیں۔

فلاسفی کہتی ہے کہ روح ہیولیٰ (مادہ) نہیں اس لیے ضرور نابود ہونے کے قابل نہیں۔ لیکن کس وجہ سے یقین ہو سکتا ہے کہ ہیولیٰ نہ ہونے سے روح نیست ہونے کے قابل نہیں، کس فلاسفر نے روح کی آیندہ حالت کا تجربہ کیا؟ ہم نے تسلیم کیا کہ روح ہیولیٰ نہیں پر اس سے کیا حاصل؟ اس سے کچھ غرض نہیں کہ روح روح ہے، مگر غرض اس بات سے ہے کہ روح کی آیندہ حالت اس دلیل سے کیونکر دائرہ یقین میں آسکتی ہے۔ یعنی کیونکر یقین کامل ہو کہ اس کا ہیولیٰ نہ ہونا اس کی بقا کی دلیل ہے؟ یہ بات صرف فرض کر لی گئی ہے کہ روح ہیولیٰ نہیں اس لئے اس کو نیستی نہیں، یعنی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ یہ مشکلات، یہ کم اعتقادی انجیل سے رفع ہو گئی ہے۔ بائبل میں نہ صرف مردگان پیشین مثل ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کی موت کے بعد زندہ حالت کا بیان ہوا ہے بلکہ ان سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ مسیح نے مردوں میں سے زندہ ہو کر ثابت کیا، دکھایا دیا۔ ایک آیندہ حالت کو تجربہ میں لا کر اسی دنیا میں روشن کیا کہ روح کو زندگی اور بقا ہے۔ اس نادیدنی حالت کی ایک دیدنی نظیر دی ہے۔ یہ اس دھندلی آیندہ حالت کی ایک روشن مثال ہے۔ اس حقیقت سے کم اعتقادی کی چون وچرا کا عملی جواب ملتا ہے اور یقین کامل ہوتا ہے کہ اسی طرح اور روحوں کو بقا ہے، کیونکہ اب تو مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور ان میں جو سو گئے ہیں پہلا پھل ہوا (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۲۰)۔

پھر فلاسفی کی ایک اور مضبوط دلیل یہ ہے کہ روح بلحاظ اپنی طاقتوں کی ترقی کے غیر فانی ثابت ہوتی ہے۔ یہ بات اور بھی تجربہ کے خلاف اور آیندہ میں خیال دوڑانا ہے۔ یہ تو یہاں ایک باٹ مقرر کر لینا اور اس کا نتیجہ آیندہ میں یوں یادوں فرض کر لینا ہے۔ قوتوں کی ترقی سے بالکل یہ یقین نہیں ہوتا کہ یہ موت روح کی حد انتہائی نہیں ہے۔ تجربہ اس دلیل کی بنا نہیں ہے۔ انسان تندرستی کی حالت میں ایسا خیال کر سکتا ہے۔ مگر عزیزو اس شخص سے پوچھو جو موت کے بستر پر ہے۔ اس کو قوتوں کی سو برس کی ترقی آیندہ ترقی کی کچھ امید دیتی یا یقین کامل دلاتی ہے۔ دریائے موت کے پار دیکھنے کا اس کے پاس کون سا ذریعہ ہے؟ دیکھو تجربہ تو اس دلیل کے بر خلاف معلوم ہوتا ہے۔ بقا کی نسبت موت اور اس کے لوازمات جیسی ناامید کرنے والی اور کوئی چیز نہیں۔ اس وقت قوتیں ضعیف اور نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ موت اس کو موت کے بستر پر گزشتہ خوشی اور تنگی پر گویا جبراً قناعت کا حکم دیتی ہے۔ نیچر اس کو نہیں بتاتی کہ نکلا دم ہست رہا یا نیست ہو گیا۔ پس ظاہر تجربہ تو یہ ہے اور انجیل بھی اس تجربہ کی تائید کرتی ہے کہ موت عذاب ہے۔ ہاں مسیح سے باہر وہ دہشت اور سختی ہے، کیونکہ اس نے زندہ ہو کر تجربہ کے نتیجہ کے بر خلاف تجربہ سے ثابت کر دکھایا کہ روح کو بقا ہے، قیامت ایک صداقت ہے۔ پس دیکھو کہ کیونکر انجیل زندگی اور بقا کو روشن کرتی ہے۔ کیا دفعیہ (دفعہ کرنے کی تدبیر۔ توڑ) شک کے لئے اس دنیا میں روح اور اس کی آیندہ حالت کی اس سے زیادہ تصریح کے ساتھ شرح ہو سکتی ہے؟ اس دنیا میں نہ ہوئی، نہ ہو گی اور نہ کسی اور کی ضرورت ہے۔

جالندھری مسلمان کی دوسری تحریر کے جواب میں

جس جس مقام میں جالندھری صاحب نے نبی کی ضرورت نہیں لکھنا تھا، وہاں ضرورت ہی لکھ دیا۔ چنانچہ ہم انہیں کی وجوہات کی رو سے اس نفی کو پھر درج کیے دیتے ہیں اور ساتھ ہی مطلع کرنا بھی انسب (زیادہ مناسب) سمجھتے ہیں کہ آپ کے مضمون کا پہلا ڈیڑھ کالم ہمارے مدعائے بحث سے بالکل خارج ہے۔ اس حصہ میں جو باتیں آپ نے تحریر کی ہیں ان ہی کے سبب سے ہم کسی غیر نبی کی ضرورت کے نافی (نفی کرنے والا)اور مبطل (باطل کرنے والا) ہیں۔

قریباً شروع مضمون میں آپ نے اختلاف سمجھ کے سبب کسی نبی کی ضرورت کو ظاہر قرار دیا ہے۔ اس پر ایک نظر تو ہم پیشتر لکھ چکے ہیں، اب ایک دو اور باتوں کا بیان کیا جاتا ہے۔ اول یہ کہ اختلافِ سمجھ سے بائبل میں نقصان مظنون (ظن کیا گیا۔ مشکوک) نہیں ہوتا۔ بائبل کے اجزائے اظہار ایسے ہیں جو ایک کل کی طرف راجع ہیں۔ ان میں اختلاف نہیں، کمی نہیں، قصور نہیں۔ اختلاف عقلیہ کی طرف حواری کا اشارہ معلوم ہوتا ہے جب اس نے غیر انجیل سنائے جانے پر لعنت کی اور کلام الٰہی سے اختلاف یا اس کی مختلف تعبیریں کرنے کا یہ سبب بتایا کہ نفسانی آدمی خدا کے روح کی باتیں قبول نہیں کرتا کہ وہ یہ اس کے آگے بیوقوفیاں ہیں اور نہ وہ انہیں جان سکتا ہے، کیونکہ وہ روحانی طور پر بوجھی جاتی ہیں۔ سچ ہے، اگر کلام خدا اس دنیا کی حکمت سے ہوتا تو نفسانی روح اسے سمجھ سکتی اور ایسا اختلاف نہ ہوتا اور بدعتیوں کا نام بھی نہ سنتے۔ اب اس نفسانیت کو دل سے دور کرنے والا روح حق ہے، نہ کہ کوئی آدم زاد۔

دوم، ایک انسان سچائی کو زیادہ سمجھ سکتا ہے اور دوسرا کم۔ ایک کو سچائی کا ایک حصہ سمجھنے کا ادارک ہے دوسرے کو کوئی اور۔ اس سبب سے بھی اختلاف سرزدہ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر بشر کے فہم کی یکساں وسعت نہیں ہے۔ پھر اختلاف سے حیران کیوں ہوں۔ پولس اور دیگر حواریوں نے انجیل سے انحراف اور اختلاف ظاہر کرنے پر بار بار متنبہ کیا ہے۔ اس لئے بائبل اپنے کسی اظہار میں قاصر نہیں، جو ہر زمانہ میں ایک نہ ایک پولس کی ضرورت کو جگہ دے۔ اُسی پولس کے نامہ جات (خطوط) اب بھی کافی ہیں کہ اختلاف وغیرہ کو منتشر کریں۔

قولہُ۔ مسیح کا شہود دنیا پر بطور نبی، کاہن اور بادشاہ کے تھا اور میں پوچھتا ہوں کہ وہ عہدے جن کی اشد ضرورت اس وقت کے لوگوں کو تھی، کیا حال کی امت کو نہیں ہے؟ بے شک ہے۔ ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو ان باتوں کی بابت لکھ دیا کہ ان تینوں کو ہم ایک ہی صیغہ کی جزو سمجھتے ہیں اور واقعی ایسا ہی ہے اور ہماری غرض اُس نبی یا نبیوں سے تھی جو اس دائرہ سے باہر ہیں۔ اس کے ساتھ ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ مسیح کا وعدہ ساتھ رہنے، دعاؤں کے سننے کا اور روحانی نعمتوں کی تحصیل کسی غیر نبی کی ضرورت کو اور بھی برطرف کرتی ہیں اور اُن غیروں کا پتا بھی بتا چکے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ مسیح کا نبی، کاہن اور سلطان ہونا اور ہر گھڑی اور ہر ساعت (بلحاظ ان عہدوں کے) انسان کو روحانی ترقی بخشا اور اس کی حاجتوں کو پورا کرنا بعدہُ (بَع۔دُ۔ہُو) (اُس کے بعد) ہر زمانہ کی امت کے لئے کسی غیر نبی کی آمد کو عبث ٹھہراتا ہے۔ مسیح کا وہ شہودِ ارضی اور

یہ ظہور فلکی غیر نبی کی عدم ضرورت کے لیے دلیل کافی ہے اور ہم جالندھری صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی غیر نبی کی عدم ضرورت کے اظہار میں ہماری خوب مدد کی ہے۔

قَولُہ ۔ عیسیٰ ہمارا نبی ہے اور اپنے کلام ذریعہ سے ہر وقت اور ہر ساعت وہی کام کر رہا ہے جو اس نے عالم شہود میں آکر کیا تھا۔ جب یہ حال ہے تو صاحب من خود ہی اظہر ہے کہ آپ کا عنوان غلط ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں نبی کی ضرورت ہے۔ جب مسیح موجود ہے تو پھر اس ضرورت کے کیا معنی۔ مسیح کے ساتھ رہنے اور وہی کام کرنے کی ضرورت تھی، سو وہ تو حاصل ہے۔ اس لئے غیر غیر ہی ٹھہرا۔

قَولُہ ۔ مانا کہ وہ جلیلی (گلیلی) آج کل ٹابیریئس (تبریاس) کے کناروں پر بدستور کھڑا ہو کے لوگوں کو وعظ و نصیحت نہیں سناتا۔ تاہم اس کا کلام اسی مقام پر کہا ہوا بدستور موجود ہے۔ برادر عزیز اس کلام کا بدستور موجود ہونا کسی غیر نبی کے کلام کی مداخلت کا مانع ہوا یا نہ ہوا۔ عدم ضرورت کی یہ ایک اور دلیل ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ اسی کلام موجودہ کی ضرورت ہے، نہ کسی اور کی۔ اس لئے منادسناتے ہیں اور لوگوں کو سننا واجب ہے۔

قَولُہ ۔ مسیح نے خود اپنے وقت میں اپنے سے پہلے نبیوں پر اشارہ کر کے یہودیوں کو باآواز بلند فرمایا تھا کہ تم لوگ کیوں ان کا کلام نہیں پڑھتے ہو۔ سو اگر حال میں نبی کی ضرورت نہیں رہی تو بتاؤ کہ مسیح کے اس خطاب سے کیا مراد تھی۔

اس خطاب سے مراد یہ تھی کہ انبیائے سابقین کی کتب میں میری خبر ہے۔ سو تم لوگ ان میں یہ خبر ڈھونڈو کہ مسیح کے نسب، کام، کلام، منزلت اور رتبہ کی بابت وہ کیا لکھ گئے تھے اور یوں میری ضرورت کے قائل ہو گے۔ کسی غیر نبی کی ضرورت کا اشارہ نہیں کیا اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ انہیں کتابوں میں ڈھونڈو، انہیں میں میری خبر ہے۔ یہ حکم کسی غیر کتاب کی طرف رجوع کرنے کا مانع ہے۔ جالندھری صاحب کی باقی ماندہ تحریر سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارا مدعا پا گئے اور جس ضرورت کا آپ اب تک گیت گاتے رہے اس کا تو ذکر نہیں۔ اسی کے تو ہم مفر (جائے فرار) ہیں اور اسی کے سبب غیروں کی عدم ضرورت کی تشبیہ میں ہمیں ذرا پس و پیش نہیں ہے۔

فصلِ اول

عدم ضرورتِ قرآن ازروئے امورِ اخلاقیہ

اس سے پیشتر ہم کسی نبی نوزاد کی ضرورت اور عدم ضرورت کا عموماً تذکرہ کرچکے ہیں۔اب مناسب ہے کہ جس خصوصیت کے لیے وہ عمومیت گویا تمہیداً اختیار کی گئی تھی،وہ واضح کی جائے۔ تخصیص کا قرعہ بایں موجب قرآن پر پڑتاہے کہ باوجود گی کتب انبیائے ملہم کے اس کا مصنف الہام کا دعویٰ کرکے اپنی تصنیف خلق اللہ کی ہدایت کے لیے پیش کرتاہے۔لہٰذا ہم انصاف سے دریافت کرنا چاہتے ہیں اور کریں گے کہ کیاضرورت تھی۔ضرورت تھی یانہ تھی۔اس تحقیقات میں لازم ہے کہ یہ امر ذہن نشین ہو کہ جب کسی مذہب کی اصلیت سے واقف ہونے کی آرزو ہوتوفقط اس کے فروعات (فروع کی جمع۔جزئیات۔غیر اہم امور) نوایجاد اور بے ہودہ کو دیکھ کر پھولنااور کہنا کہ وہ کتاب جس کی تقلید کے یہ یاوہ لوگ مدعی ہیں جھوٹی اور بے ہودہ ہے،اس کتاب کی ماہیت حقیقی کی واقفی سے ہمیشہ محروم رہے گا،مثلاً دین عیسوی کورومن کا تھلکوں وغیرہ کی ایجادوترمیم میں اورزائد الغرض رسومات میں لپٹاہوادیکھ کر کہنا کہ عیسوی مذہب بے ہودہ طریق ہے یایہ کہ بائبل ایک ایسی کتاب ہوگی جو بے ہودگی سے پر ہو اور یا اگر محمدی مذہب کی صرف خرابیوں کے سبب جو اس کے مقلدوں نے وارد کرلی ہیں،کوئی یہ گمان کرے کہ یہ بڑاخراب مذہب ہے یا قرآن میں یوں اورؤوں (اِس طرح یااُس طرح) ہوگا تو ایسے کم اندیش محققوں کو ہم بے خبر اور بے انصاف کہنے میں ذراتامل نہ کریں گے۔ ایسے شخصوں کولازم ہے کہ اصل کتب کی طرف رجوع کریں اور ان کی عمدگی یابے ہودگی سے استدلال پکڑیں۔اس قسم کے اتہام سے بری رہنے کی غرض سے ہم نے فقط بائبل اور قرآن ہی پر زور دیاہے۔

پھر ہم نے کسی نبی کی ضرورت کی نسبت یہ بیان کیا تھا کہ یہ ضرورت، ضرورت پر موقوف ہے۔اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی امر انبیائے سلف سے رہ گیاجو انسان کی دفعیہ (دفع کرنے کی تدبیر)حاجات کے لیے ضرور تھاتو محمد صاحب کی ضرورت تھی۔دیااگر ان سے کسی امر میں خطاہوگئی ہو تو اس کی تصحیح کے لئے محمد صاحب کے آنے کی ضرورت کی گنجائش تھی۔مگر بائبل میں نہ کوئی امر باقی رہ گیااور نہ کسی امر میں خطا ہی ہوئی اس لئے قرآن کی ضرورت نہیں تھی،محمد صاحب بے فائدہ نبی بنے۔

اس مضمون کے ضمن میں یہ بھی بیان ہواہے کہ بہ لحاظ بت پرستی وغیرہ کے الہام کی ضرورت تھی۔مگر چونکہ بائبل مقدس میں ذات اور صفات ایزدی کے ایسے اظہار درج ہیں جو عقل کی ہر قسم کی آوارگی کے قلع قمع کے لیے مکتفی ہیں۔لہٰذا اس بارے میں قرآن کی حاجت نہ تھی،غور کرو۔جب احمق اپنے دل میں کہتاہے کہ خدا نہیں تو خداوند یوں فرماتا ہے کہ "میں ہوں جو ہوں"میرا نام ہے۔جب کوئی فیلسوف اشیائے ذاتی کو ہر نتیجہ کا سبب بتاکر مسبب الاسباب کے وجود سے منکر ہونے پر آمادہ ہو تو ایسے بیدار مغز کی فہمائش (ہدایت۔نصیحت) کے لئے

بائبل سلسلہ اظہار الٰہی کا شروع ہی یوں کرتا ہے "خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا" (پیدائش ۱:۱)۔جب انسان علی العموم اس مقنن قادر کی جگہ قوانین قدرت کو ماننے لگے اور واجب الوجود کے عوض وجود ساختہ کو اور اس حی القیوم کے مقابل میں ہر جاندار مخلوق کو حق عبادت کا ادا کرنے لگے،تب الہام بائبل نے صاف صاف کھلا کھلی متنبہ کیا کہ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو آسمان پر یا زمین پر یا زمین کے نیچے ہو مت بنا اور نہ ان کے آگے سجدہ کر کیونکہ میں غیور خدا ہوں (خروج ۲۰:۴،۵)۔جب شریر شرارت میں زندگی گزارتے اور کہتے ہیں کہ کوئی نہیں دیکھتا،کیے جاؤ تو الہام بائبل نے خدا کو حاضر و ناظر بتایا،جیسا ایک سو انتالیس زبور میں مرقوم ہے۔جب انسان بار گناہ سے ملول خاطر ہوتا ہے تو بائبل میں یہ تسلی موجود ہے کہ خاطر جمع رکھ،ایمان لا،خدا محبت ہے۔جب شریر شرارت میں خوش ہوتے اور باز پرس کا خیال تک نہیں کرتے تو خداوند بائبل کے ذریعہ سے ایسوں کو اور (عبرت کے لیے سب کو) اُنہیں کے محاورات میں خوب طرح آگاہ کرتا ہے کہ حاکم الحاکمین راستی سے دنیا کی عدالت کرے گا،شریر گھمنڈی کو بھسم کر دے گا۔جب کوئی خوش فہم گمان کرتا ہے کہ خدا نظر نہیں آتا،یہی موجودات خدا ہے،اس میں حلول ہو رہا ہے،اس سے جدا نہیں تو بائبل صاف صاف منکشف کرتی ہیں کہ یہ موجودات اس کی دستکاری ہیں۔اس نے اس کی بناڈالی۔یہ اس کی قدرت کا ظہور ہے۔خدا روح ہے،ہیولانی مادہ نہیں۔

ایڈیٹر صاحب صفات الٰہی کا بیان تو بائبل میں مثل سیلاب کے موج زن ہے تو کہاں تک یہ کلک (قلم) دوزبان صفات ایزدی کی نسبت اظہار بائبل کا بیان کرے،اتنے ہی پر اکتفا کر۔اصل مدعا کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ کون سی صفت باقی ہے جو بائبل میں نہیں حتیٰ کہ اس کے انکشاف کے لیے قرآن کی ضرورت ہوئی،ایک بھی نہیں۔مصنف قرآن خود علم صفات الٰہی کے لیے اسی بائبل کا دین دار ہے۔ان صفات کے قرآن میں پائے جانے کے سبب نہ تو وہ الہامی ٹھہرتا ہے اور نہ اس کی ضرورت لاحق تھی۔بغیر قرآن کے بائبل نے صفات الٰہی کا خوب چرچا کر رکھا تھا اور اب بھی کر رہی ہیں۔جن ملکوں کی آب وہوا کا مزہ قرآن نے چکھا ہی نہیں،وہاں بائبل نے دیکھو ان صفات کے علم سے مجہول دلوں کو کیسا روشن کر دیا ہے۔لو جہاں قرآن پہنچا وہاں نہ تو بائبل کو برطرف کیا اور نہ اس پر فضیلت دکھائی۔پس جس حال کہ نہ نقص نکالا،نہ فضیلت دکھائی (فضیلت کیا برابر بھی نہیں اترا) تو اس کی حاجت ہی کیا تھی۔خوانخواہ الہام پر الہام کے کیا معنی،کچھ معنی نہیں،بے معنی خیال ہے۔

اس بات پر ناظرین اہل اسلام مطلقاً نازاں نہ ہوں کہ مسیحی کمال نادانی سے یسوع مسیح کو جو ایک مقبول پیغمبر تھے،خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے اس لئے ایسے نبی کی ضرورت ہوئی کہ اس فرق سے لوگوں کو آگاہ کرے۔ایسے آگاہ کرنے والے کئی محمد صاحب سے پہلے بھی ہو گزرے تھے۔مگر حقیقت حال یہ ہے کہ مولف قرآن نے مسیح کی دو ذاتوں کا خیال نہ کیا اور یا کہ خیال کرنے کا ملکہ نہ تھا اور اس لئے اس کی انسانیت سے اس کی الوہیت پر حملہ کیا۔چنانچہ لوازمات انسانی کو بار بار پیش کر کے اس کی الوہیت سے انکار کیا،جیسے کھانا کھانا اور بی بی مریم سے تولد ہونا۔بائبل خود ہی اس قسم کی باتوں سے اس کی انسانیت کا کامل ثبوت پہنچاتی ہے اور مسیح خود اپنے تیئں ابن آدم کہتا ہے۔مگر الٰہی لوازمات کا بھی بائبل بار بار ذکر کرتی ہے جو اس کی الوہیت پر بے کم و کاست (بالکل درست۔کمی بیشی کے بغیر) دال کرتے ہیں۔پہلے الہام کو نہ سمجھنا اور عدم واقفیت کے سبب مسیح کی الوہیت سے انکار کرنا بھولنے کا موجب نہیں۔بلا سمجھے کسی کلام پر کلام کرنا ناظرین خود ہی کہیں کہ نادانی ہے یا کچھ اور،اور کس کے

ذمے لگتی ہے۔ یونی ٹیری ان (توحید پرست) بھی بائبل سے انسانی عرضات مسیح کی الوہیت کے خلاف پیش کر کے نازاں ہوتے ہیں۔ محمد صاحب نے ان سے کچھ بڑھ کر نہیں کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر زیادہ دریافت کرتے تو واقف ہوتے کہ انجیل اس وجود جسمانی کو جو تولد ہوا، وجود الٰہی نہیں کہتی۔ ہر دو میں صریح امتیاز کرتی ہے۔ پس ایسی آگاہی کی ہر گز ضرورت نہ تھی۔

پھر انکار تثلیث بھی عبث ہے۔ محمد صاحب نے بائبل کی تثلیث سے انکار نہیں کیا اور جس تثلیث فی التوحید کا حضرت نے انکار کیا بائبل خود پیشتر ہی اس کی مبطل ہے یعنی مریم، عیسیٰ (ابن مریم) اور خدا۔ یہ بدعتیوں کی تثلیث تھی۔ وہی اس کے موجد تھے۔ بائبل ایسی تثلیث کی روادار نہیں اور وہ تثلیث جس کا بائبل اظہار کرتی ہے محمد صاحب صاحب کے علم سے خارج رہی۔ اس کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ اب جس حال کہ بعض امور کی نسبت بے خبر ہے اور بعض کی نسبت ساکت، تو ہادی ثانی اور مصحح (صحیح کرنے والا) کن باتوں کے تھے۔ یہ باتیں تو ان کی عدم ضرورت کی عین مصدق ہیں۔

پھر اس بات پر بھی افتخار (فخر) بے جا ہی ہے کہ محمد صاحب علم توحید بحال کرنے آئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بائبل اس امر میں قاصر ہوتی تو آپ کی ضرورت لاحق تھی، لیکن چونکہ یہودی اور عیسائی توحید کو دلی تعویذ کئے بیٹھے تھے اور ان کی کتب الہامیہ علم توحید کے انکشاف سے بھرپور تھیں۔ لہٰذا اس بحال کرنے کے کیا معنی۔ توضیح کی خاطر ہم چند مقامات شان توحید میں نقل کئے دیتے ہیں۔ ۲۔ سموئیل ۲۲: ۳۲ میں ہے "کیونکہ خُداوند کے سوا اَور کَون خُدا ہے؟ اور ہمارے خُدا کو چھوڑ کر اَور کون چٹان ہے ؟" استثنا ۶: ۴ میں لکھاہے "سُن اے اسرائیل ! خُداوند ہمارا خدا ایک ہی خُداوند ہے"۔ اس قول کا خداوند عیسیٰ نے بھی حوالہ دیا (مرقس ۱۲: ۳۲)۔ پھر پہلے کرنتھیوں ۸: ۶ میں موجود ہے کہ ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے، الخ (تمام۔ جب کسی عبارت کا تھوڑا حصہ لکھ کر باقی بخوف طوالت نہیں لکھتے تو الخ لکھ دیتے ہیں)۔ اگر بائبل اظہار توحید سے بیگانہ ہوتی تو قرآن لاریب (بلاشبہ) یگانہ ٹھہرتا۔ مگر اس حال میں تو اس کا وہی حال ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ پس اظہار صفات الٰہی میں قرآن بائبل کو برطرف نہیں کرتا اور نہ اس پر فضیلت دکھاتا ہے۔ بائبل اپنے آپ میں کامل ہے اور کسی صفت کے بیان میں قاصر نہ تھی جس سے الہام مزید کی ضرورت ہوتی۔ پس بایں جہت قرآن کی ضرورت نہ تھی۔ اب ذیل میں ہم سلسلہ وار بائبل اور قرآن کے امور اخلاقیہ کو پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ ایک دوسرے سے کیا نسبت ہے اور ایک کے مقابل میں دوسرے کی کیا حیثیت اور ضرورت ہے۔

امور اخلاقیہ بائبل مقدس		امور اخلاقیہ قرآن مجید	
ا۔ انسانوں کے فرائض خدا کی طرف			
بت پرستی کی ممانعت			
استثنا۶:۱۴	تُم اور معبودوں کی یعنی اُن قوموں کے معبودوں کی جو تمہارے آس پاس رہتی ہیں پیروی نہ کرنا۔	سورہ بقر آیت ۶۶	اور بعض لوگ ہیں جو پکڑتے ہیں اللہ کے سوا اوروں کو دوست محبت رکھتے ہیں ان کی جیسے محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ محبت ہے اللہ کی اور کبھی دیکھیں بے انصاف اس وقت کو جب دیکھیں گے عذاب کہ زور سارا اللہ کو ہے اور اللہ کی مار سخت ہے۔
استثنا۱۱:۲۸	اور لعنت اُس وقت جب تُم خُداوند اپنے خُدا کی فرمانبرداری نہ کرو اور اُس راہ کو جس کی بابت مَیں آج تُم کو حکم دیتا ہوں چھوڑ کر اَور معبودوں کی پیرو ی کرو جن سے تُم اب تک واقف نہیں۔		تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں بتوں کو اور شیطانوں کو اور کہتے ہیں کافروں کو کہ انہوں نے زیادہ پائی ہے مسلمانوں سے راہ۔
یرمیاہ۲۵:۶	اور غَیر معبُودوں کی پیروی نہ کرو کہ اُن کی عبادت وپرستش کرو اور اپنے ہاتھوں کے کاموں سے مُجھے غضبناک نہ کرو اور مَیں تُم کو کُچھ ضرر نہ پُہنچاؤں گا۔	سورہ انعام آیت ۱۰۲	وہی ہیں جن کو لعنت کی اللہ نے۔ یہ اللہ ہے رب تمہارا اس کے سوا کسی کو بندگی نہیں۔ کن کو شریک بتاتے ہیں جو پیدا نہ کریں ایک چیز اور آپ پیدا ہوتے ہیں اور نہ کرسکتے ہیں ان کی مدد اور نہ اپنی مدد کریں؟ اور اگر ان کو پکارو راہ پر نہ چلیں تمہاری پکار پر۔
زبور۱۱۵:۳۔۸	ہمارا خُدا تو آسمان پر ہے۔ اُس نے جو کچھ چاہا وہی کیا۔ اُن کے بُت چاندی اور سونا ہیں یعنی آدمی کی دستکاری۔ اُن کے منہ ہیں پر وہ بولتے نہیں آنکھیں ہیں پر وہ دیکھتے نہیں۔ اُن کے کان ہیں پر وہ سُنتے نہیں۔ ناک ہیں پر وہ سونگھتے نہیں۔ اُن کے ہاتھ ہیں پر وہ چھوتے نہیں۔ پاؤں ہیں پر وہ چلتے نہیں اور اُن کے گلے سے آواز نہیں نکلتی۔ اُن کے بنانے والے اُن ہی کی مانند ہو جائیں گے۔ بلکہ وہ سب جو اُن پر بھروسا رکھتے ہیں۔		برابر ہے تم کو کہ ان کو پکارو یا چپکے رہو۔ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو ان کو تو چاہیئے قبول کریں تمہارا پکارنا اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جس سے چلتے ہیں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جس سے پکڑتے ہیں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں جس سے دیکھتے ہیں؟ یا ان کے کان ہیں جس سے سنتے ہیں، الخ۔

جس حال کہ بائبل مقدس میں یہ باتیں موجود تھیں تو اس تکرار قرآنی کی کیا حاجت تھی۔			
عبادت الٰہی			
استثنا۱۱:۱۳۔۱۷	اوراگر تُم میرے حکموں کو جو آج مَیں تُم کو دیتا ہُوں دِل لگا کر سُنو اور خُداوند اپنے خُدا سے محبّت رکھّو اوراپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان سے اُس کی بندگی کرو۔ تو مَیں تُمہارے مُلک میں عَین وقت پر پہلا اور پچھلا مِیں ہ برساؤں گا تاکہ تُو اپناغلّہ اور مَے اور تیل جمع کرسکے۔ اور مَیں تیرے چوپایوں کے لیے میدان میں گھاس پیدا کروں گا اورتُو کھائے گا اور سیر ہو گا۔ سو تُم خبردار رہنا تا اَیسا نہ ہو کہ تُمہارے دِل دھوکا کھائیں اور تُم بہک کر اور معبودوں کی عبادت اورپرستش کرنے لگو۔ اور خُداوند کا غضب تُم پر بھڑکے اور وہ آسمان کو بند کردے تاکہ مینہ نہ برسے اور زمیں میں کچھ پیداوارنہ ہو اور تُم اِس اچھّے مُلک سے جو خُداوند تُم کو دیتاہے جلد فنا ہو جاؤ۔	سورہ نسا آیت ۳۵	اوربندگی کرو اللہ کی۔
استثنا۳۰:۱۵۔۱۶	دیکھ مَیں نے آج کے دِن زِندگی اور بھلائی کو اور مَوت اور بُرائی کو تیرے آگے رکھّا ہے۔ کیونکہ مَیں آج کے دِن تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تُو خُداوند اپنے خُدا سے محبّت رکھّے، الخ۔		اور تھام رکھ آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، الخ۔
زبور۴۵:۱۱	اور بادشاہ تیرے حُسن کا مشتاق ہو گا کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے تُو اُسے سجدہ کر۔	سورہ یٰس آیت ۲۱	اور مجھ کو کیا ہے کہ بندگی نہ کروں اس کی جس نے مجھ کو بنایا؟ اور اس کی طرف پھر جاؤ۔
زبور۹۵:۶،۷	آؤ ہم جھکیں اور سجدہ کریں اور اپنے خالق خُداوند کے حضور گھٹنے ٹیکیں۔ کیونکہ وہ ہمارا خُدا ہے اور ہم اُس کی چراگاہ کے لوگ اور اُس کے ہاتھ کی بھیڑیں ہیں۔ کاشکہ آج کے دِن تُم اُس کی آواز سُنتے۔		اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔

زبور ۹۷:۷	کھدی ہوئی مُورتوں کے سب پُوجنے والے جو بُتوں پر فخر کرتے ہیں شرمندہ ہوں۔ اَے معبودو! سب اُس کو سجدہ کرو۔ زبور کی کل کتاب عبادت الٰہی کے نصائح سے پُر ہے۔ ہم صرف انہیں جوابوں پر اکتفا کریں گے۔	سورہ انعام آیت ۱۰۲	یہ اللہ ہے رب تمہارا اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں بنانے والا ہر چیز کا۔ سو اس کی بندگی کرو۔
	خدا سے محبت رکھنا		
استثنا ۶:۵	تُو اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خُداوند اپنے خُدا سے محبّت رکھ۔		اگر یہ تعلیم قرآن میں کہیں ہے یا ایسی تاکید وتفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے جیسی بائبل مقدس میں موجود ہے تو اس امر سے مطلع کیا جائے، قرنہ قرآن شریف کے قاصر ہونے میں کلام ہی نہیں۔(دیکھو ضمیمہ فصل ہذا اور فصل ہفتم)
زبور ۳۱:۲۳	خُداوند سے مُحبّت رکھّو اَے اُس کے سب مُقدّسو! خُداوند اِیمانداروں کو سلامت رکھتا ہے اور مغرُوروں کو خُوب ہی بدلہ دیتا ہے۔		
استثنا ۱۰:۱۲	پس اَے اِسرائیل !خُداوند تیرا خُدا تجھ سے اِس کے سِوا اور کیا چاہتا ہے کہ تُو خُداوند اپنے خُدا کا خَوف مانے اور اُس کی سب راہوں پر چلے اور اُس سے محبّت رکھّے اور اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان سے خُداوند اپنے خُدا کی بندگی کرے۔		

یاد رہے کہ شرع اخلاقی یعنی دس احکام جو کوہ سینا پر حق تعالیٰ نے نہایت رعب وداب کے ساتھ فرمائے، ان کا پہلا حصہ ان سب باتوں کو شامل کرتا ہے جن کا اب تک ہم نے عہد عتیق سے اقتباس کیا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہمارے جوابوں سے اس میں باقی کچھ نہیں رہا۔ اس قسم کی باتوں سے حکم، احکام اور نصائح سے وہ تو معمور ہے۔ ہم نے تو صرف بانگی (نمونہ) دکھائی ہے اور پھر یاد رہے کہ عہد جدید امور ہٰذا کی اور بھی زیادہ تاکید کے ساتھ شرح کرتا ہے۔ خدا محبت ہے۔ خدا کو سارے دل وجان اور زور سے پیار کر۔ خدا روح ہے۔ روح اور راستی سے اس کی بندگی کر۔

اے اہل انصاف اب کہو کیا ان امور کی نسبت بائبل میں کچھ کمی تھی، نقص تھا یا کیا تھا جو لوگ قرآن کی ضرورت درمیان میں لاتے ہیں۔ کسی امر میں بھی قرآن بائبل پر ترجیح پاتا ہے؟ وہی باتیں، وہی تعلیم ہے۔ قرآن نے کچھ نقصان نہیں بتایا اور نہ فضلیت دکھائی تو آیا کیوں ؟ضروت کیا تھی؟ عدم ضرورت اسی کو کہتے ہیں اور اسی طرح عائد ہوتی ہے۔

۲۔انسانوں کے فرائض باہمی

بائبل مقدس		قرآن مجید	
	خون کرنا		
استثنا۵:۱۷	تو خُون نہ کرنا۔	سورہ بنی اسرائیل آیات ۳۳،۳۵	اور نہ مارڈالو اپنی اولاد ڈر سے مفلسی کے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بے شک ان کا مارنا بڑی چوک ہے اور نہ مارو جان جو منع کی اللہ نے مگر حق پر اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو زور سو اب ہاتھ نہ چھوڑے خون پر اس کو مدد ہوتی ہے۔
متی ۵:۲۱،۲۲	تُم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خُون نہ کرنا اور جو کوئی خُون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔ لیکن میں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصّے ہو گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا، الخ۔		اور مسلمان کا کام نہیں کہ مارڈالے مسلمان کو مگر چوک کر۔اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کے تو اس کی سزا دوزخ ہے۔پڑا رہے اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔
۱۔یوحنا۳:۱۵	جو کوئی اپنے بھائی سے عداوت رکھتا ہے وہ خُونی ہے ا و ر تُم جانتے ہو کہ کسی خُونی میں ہمیشہ کی زِندگی مَوجُود نہیں رہتی۔		
	چوری کرنا		
خروج ۲۰:۱۵	تُو چوری نہ کرنا۔	سورہ انفال آیت ۲۷	اے ایمان والو چوری نہ کرو اللہ سے اور رسول سے یا چوری کرو آپس کی امانتوں میں جان کر۔
	زنا کرنا		
خروج ۲۰:۱۴	تُو زِنا نہ کرنا۔	سورہ نسا آیت ۱۴	اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں تو شاہد لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان کو بند رکھو گھروں میں جب تک پھر لے ان کو موت یا کر دے اللہ ان کی کچھ راہ۔
استثنا۲۳:۱۷	اسرائیلی لڑکیوں میں کوئی فاحِشہ نہ ہو اور نہ اِسرائیلی لڑکوں میں کوئی لُوطی ہو۔		
امثال ۵:۲۰،۲۱	اَے میرے بیٹے! تجھے بیگانہ عورت کیوں فریفتہ کرے اور تُو غیر عورت سے کیوں ہم آغوش ہو ؟کیونکہ اِنسان کی راہیں خُداوند کی آنکھوں کے		

	سامنے ہیں اور وہی اُس کے سب راستوں کو ہموار بناتا ہے۔		
متی ۲۸:۵	لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ جِس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نِگاہ کی وہ اپنے دِل میں اُس کے ساتھ زِنا کر چُکا۔		
جھوٹ اور فریب			
احبار ۱۹:۱۱ احبار ۱۹:۳۵ احبار ۱۹:۱۳	تُم چوری نہ کرنا اور نہ دغا دینا اور نہ ایک دُوسرے سے جھوٹ بولنا۔ مَیں خُداوند تمہارا خُدا ہُوں۔ تم اِنصاف اور پَیمایش اور وزن اور پَیمانہ میں ناراستی نہ کرنا۔ تُو اپنے پڑوسی پر ظُلم نہ کرنا نہ اُسے لُوٹنا۔ مزدُور کی مزدُوری تیرے پاس ساری رات صُبح تک رہنے نہ پائے۔		اور مت جھگڑو ان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں۔ اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو دغاباز گناہ گار۔
افسیوں ۴:۲۵	پس جھوٹ بولنا چھوڑ کر ہر ایک شخص اپنے پڑوسی سے سچ بولے کیونکہ ہم آپس میں ایک دُوسرے کے عُضو ہیں۔	سورہ احزاب آیت ۵۸	اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بن کئے کام کے تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔
باہمی محبت			
احبار ۱۹:۱۷،۱۸	تُو اپنے دِل میں اپنے بھائی سے بُغض نہ رکھنا ۔۔۔۔۔ اپنے ہمسایہ سے اپنی مانند محبّت کرنا۔ مَیں خُداوند ہُوں۔		قرآن میں ندارد ہے۔ اگر ہے تو بتایا جائے درج کر دیں گے۔ (دیکھو بفصل ہٰذا اور فصل ہفتم)
متی ۵:۴۳،۴۴	تُم سُن چُکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبّت رکھ اور اپنے دُشمن سے عداوت۔ لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ اپنے دشمنوں سے محبّت رکھّو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرو۔		
اس تعلیم سے انجیل پُر ہے کہاں تک اقتباس کریں۔			
انتقام لینا			

امثال ۳۲:۶	جو قہر کرنے میں دِھیما ہے پہلوان سے بہتر ہے اور وہ جو اپنی رُوح پر ضابط ہے اُس سے جو شہر کو لے لیتا ہے	سورہ حج آیت ۶۱	یہ سن چکے۔ اور جس نے بدلہ دیا جیسا اس سے کیا تھا پھر اس پر کوئی زیادتی کرے تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ۔
امثال ۱۱:۱۹	آدمی کی تمیز اُس کو قہر کرنے میں دھیما بناتی ہے۔ اور خطا سے درگزر کرنے میں اُس کی شان ہے۔		
متی ۳۹،۳۸:۵	تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے۔	سورہ بقر آیت ۱۹۴	پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسے اس نے زیادتی کی تم پر اور اگر بدلہ تو بدلہ دو اس قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچی اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو۔
امثال ۲۹:۲۴؛ ا۔ تھسل ۵:۵	یوں نہ کہہ مَیں اُس سے وَیسا ہی کرُوں گا جیسا اُس نے مجھ سے کیا۔ مَیں اُس آدمی سے اُس کے کام کے مُطابِق سُلوک کرُوں گا۔		
رومیوں ۲۰۔۱۹:۱۲	اے عزیزو! اپنا اِنتقام نہ لو بلکہ غضب کو مَوقع دو کیونکہ یہ لکھا ہے کہ خُداوند فرماتا ہے اِنتقام لینا میرا کام ہے۔ بدلہ مَیں ہی دُوں گا۔ بلکہ اگر تیرا دُشمن بھُوکا ہو تو اُس کو کھانا کھِلا۔ اگر پیاسا ہو تو اُسے پانی پلِا کیونکہ اَیسا کرنے سے تُو اُس کے سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگائے گا۔	سورہ نحل ۱۲۸،۱۲۷	اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور نہ خفا رہو ان کے فریب سے۔
کلسیوں ۱۳،۱۲:۳	پس خُدا کے برگُزیدوں کی طرح جو پاک اور عزیز ہیں دردمندی اور مہربانی اور فروتنی اور حلم اور تحمل کا لباس پہنو۔ اگر کسی کو دُوسرے کی شکایت ہو تو ایک دوسرے کی برداشت کرے اور ایک دُوسرے کے قصُور مُعاف کرے۔ جیسے خُداوند نے تُمہارے قصُور معاف کئے ویسے ہی تُم بھی کرو۔		

اے ناظرین بائبل مقدس ان احکام اور شریعتوں سے معمور ہے۔ تو کیا محمدی ہم سے بائبل رکھوا کر اس کے عوض میں یہ قرآن پکڑاتے ہیں۔ اگر دونوں کا پورا پورا مقابلہ کیا جائے تو منصف مزاج قرآن کی تلاوت کا خیال تک نہ کریں۔ ہم نے تو آپ کو تھوڑے ہی میں دکھا دیا

کہ قرآن مجید کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ قرآن میں کون سی بات متعلق اخلاق کے بائبل سے بڑھ کر بیان کی گئی ہے۔ کون سا نقص نکالا، کس امر اخلاقیہ کو قاصر ٹھہرایا، کوئی نہیں، کسی ایک کو بھی نہیں۔ اکثر انہیں قدیم احکام کی نقل کی ہے اور بعض امور میں خود ہی قاصر ہے۔ لہٰذا اس کی ضرورت کا خیال تک نہ کرنا چاہیئے، وہ ایک فضول کتاب ہے۔

ضمیمہ نمبر ا- فصل اول

اخبار مہر درخشاں دہلی مطبوعہ ۲۱ جون ۱۸۸۰ء میں امام فن مناظرہ اہل کتاب سید ناصر الدین محمد ابو المنصور نے کم ترین کے مسلسل مضامین بعنوان قرآن کی عدم ضرورت کے نمبر ۲ مطبوعہ دہم جون ۱۸۸۰ء پر بطور جواب کے کچھ لکھا تھا۔ مولوی صاحب کے جواب پر واجبی نظر ثانی نذر ناظرین کی گئی تھی۔

قَولُہ۔ صفحہ ۱۹۰ میں پادری صاحب فرماتے ہیں کہ خدا سے محبت رکھنا کہیں قرآن میں نہیں آیا، اس وجہ سے قرآن کے قاصر ہونے میں کلام نہیں۔ ناظرین اس صفحہ کو پھر دیکھیں اور معلوم کریں کہ ہم نے کیا لکھا ہے یعنی اگر یہ تعلیم قرآن میں کہیں موضوع ہے یا ایسی تاکید اور تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے جیسی بائبل مقدس میں موجود ہے تو اس امر سے مطلع کیا جائے، ورنہ قرآن کے قاصر ہونے میں کلام ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے تاکید اور تفصیل تو نہ دکھائی مگر اس آیت کا حوالہ دیا ہے جو ہم نے صفحہ ۱۸۹ میں کالم قرآنی کے شروع ہی میں لکھا ہے اور نیز سورۂ عمران رکوع ۴ کا حوالہ دیا ہے یعنی اگر تم محبت رکھتے اللہ کی تو میری راہ چلو۔ واضح ہو کہ ان آیات سے ہمارا مدعا ضائع نہیں ہوتا، بائبل مقدس میں یہ آیات عدم ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر اگر اسی قدر بیان پُر زور ہے تو بھی بائبل کے حضور قاصر ہی ہیں۔ بائبل میں یہ مقدم تعلیم ہے مگر قرآن میں پایہ تقدیم (مقدم سمجھنا۔ ترجیح) پر نہیں ہے، ایک سرسری ذکر ہے۔

قَولُہ۔ صفحہ ۱۹۱ میں بھی پادری صاحب فرماتے ہیں کہ باہمی محبت کا ذکر قرآن میں ندارد (نہیں۔ غیر حاضر) ہے۔ یہاں بھی پادری صاحب دھوکا کھا گئے۔ قرآن کی سورہ شوریٰ رکوع ۳ میں باہمی محبت کا بھی حکم ہے یعنی قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ ۔ یہ آیت جس کا مولوی صاحب حوالہ دیتے ہیں یہ معنی رکھتی ہے یعنی تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ نیک مگر دوستی چاہیئے ناتے میں۔ سیل صاحب میرے ناتے میں ترجمہ کرتے ہیں۔ ارے صاحب کہاں ناتے سے دوستی اور کہاں پڑوسی سے دوستی اور دشمنوں سے محبت اور لعنت کنندوں کے لئے برکت اور کینہ ور سے نیک سلوک اور ستم گر کے لئے دعائے خیر۔ جب تک یہ باتیں نہ ہوں باہمی محبت ہر ایک سے (نہ فقط ناتے سے) محال ہے۔ بائبل باہمی محبت میں ناتے کی قید نہیں لگاتی کُل کے ساتھ یکساں فرض ٹھہراتی ہے۔ اس لئے ہمیں افسوس ہے کہ مولوی صاحب کا یہ چیدہ حوالہ باہمی محبت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ پھر جب سورہ بقر کے رکوع ۲۴ آیت ۱۹۴ کا خیال آتا ہے اور جس کا حوالہ ہم

انتقام لینے کے بارے میں دے چکے ہیں یعنی "جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر"، قرآن میں باہمی محبت کو ندارد کہنے میں تامل نہیں ہے۔ پس صاحب دھوکا کم ترین نے کھایا یا قرآن والے نے جسے ایک موقع کی کہی ہوئی دوسرے موقع پر یاد ہی نہیں رہتی۔ آپ کی ان باتوں سے بھی قرآن کی عدم ضرورت ظاہر ہے۔

قَولُہ۔ اب اس کا جواب سنو جو کہتے ہو کہ منصف مزاج قرآن کی تلاوت کا خیال تک نہ کریں، الخ۔ اگر قرآن میں نیک تعلیمات بائبل سے کم بھی ہوتیں تب بھی جبکہ قرآن میں تحریف و تبدل کا کسی کو گمان تک نہیں (رسالہ تحریف قرآن طبع دوم مصنف ماسٹر رام چندر صاحب دیکھنا چاہیئے)۔ پس ایسی کتاب کو چھوڑ کر ان کتابوں کی تلاوت کرنا جن میں تحریف و تبدل کا بقول علمائے اہل کتاب پایان تک نہیں ہے، کوئی مصنف مزاج تجویز نہ کرے گا۔

تعجب ہے کہ وہ کتابیں محرف ہو کر پھر بھی تعلیمات میں قرآن سے بدرجہ اولیٰ ہوں۔ اس حال میں قرآن کی کیا حیثیت ٹھہری کہ ایسی کتابوں کے مقابل میں بھی عدم ضرورت سے موصوف ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نیک تعلیمات میں تحریف و تبدیل نہیں ہوئی اور تحریف کا دعویٰ تو علمائے مسیحی خصوصاً ڈاکٹر فنڈر صاحب نے مردود ثابت کر دیا ہے۔ لیکن اگر اسے قائم کرنے کی آپ کے پاس کوئی نئی طرز ہو تو کاہیکو (کا ہے کو۔ کس لئے) اور کس وقت کے لئے چھپا رکھی ہے۔ ابھی شاید زندگی کے کچھ دن باقی ہیں ان میں اس کی نسبت ہی تسلی کرو اور تلاوت قرآن کا خیال بہر صورت متروک کرو اور بائبل مقدس کو جو نیک تعلیم اور طریق الحیات سے پُر ہے دل سے تسلیم کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ قرآن کی عدم ضرورت سے کسی طرح رہائی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کے جوابوں سے بھی یہی مشرح (واضح) ہے۔

ضمیمہ نمبر ۲۔ فصل اول

اخبار منشور محمدی مطبوعہ ۱۵ شعبان ۱۲۹۷ ہجری نمبر ۲۳ جلد ۹ میں حافظ عبدالرحیم صاحب نے بندہ کی تحریر پر اپنی دانست میں خدا سے محبت رکھنے اور انسان کی باہمی محبت کی نسبت چند نسخے لکھے ہیں۔ آپ کی ابتدائی بکواس سے طرح دے کے اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا انسب ہے۔ ہمارے نزدیک ان نسخوں کی روسے بھی قرآن کی عدم ضرورت میں مطلق کسر نہیں آتی اور آپ نے پادری صاحب کی خاطر خدا کی محبت (خدا سے محبت رکھنے) کی نسبت کئی ایک نسخے لکھے ہیں۔ بندہ نہایت مشکور ہے مگر افسوس ہے کہ نسخے مجرب (آزمودہ) نہیں۔

قَولُہ۔(پہلا نسخہ) قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ۔ کہہ دے اے نبی صاحب اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری تابع فرمانی کرو۔ خدا تم کو دوست رکھے گا (سورہ عمران آیت ۳۱)۔ واضح رہے کہ خدا سے محبت رکھنا کسی انقیادی (مطیع ہونا ۔ فرماں برداری) امر سے مقید نہ ہونا چاہیئے۔ خدا سے محبت رکھنا سرشت گبدوں (گبد۔ بے وقوف، کم عقل) لحاظ کسی محض انسان یا رسول بھیائے

انسان پر واجب ہے کیا اگر محمد صاحب کی فرماں برداری نہ کی جائے تو خدا اسے محبت نہیں رکھ سکتے ۔ یہ کیا بات ہے۔ پس یہ مشروط محبت بائبل کے مقابل میں قاصر ہے جو تصریحاً فرماتی ہے کہ "۔۔۔خُداوند اپنے خُدا سے اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبّت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے" (متی ۲۲: ۳۷، ۳۸)۔

پھر یاد رہے کہ جو نتیجہ حافظ صاحب اس آیت قرآنی سے پیش کرتے ہیں وہ ہمارے مدعا سے خارج ہے ۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ اگر پادری صاحب بھی چاہیں کہ خدا مجھ کو دوست رکھے تو ہمارے پیغمبر اسلام کی فرماں برداری کریں۔ ہماری غرض یہ نہ تھی کہ خدا انسان سے محبت رکھے یا نہ رکھے مگر یہ کہ انسان خدا سے محبت رکھے۔ پس آپ کا نتیجہ غیر ہے اور پھر چونکہ خداوند مسیح محمد صاحب سے بدرجہا اکمل اور افضل ہے ، لہٰذا پیغمبر اسلام کی تابع داری عدم ضرورت میں داخل ہے۔ پس دیکھئے آپ کے پہلے ہی نسخہ کا ہر جزو غیر مجرب ہے۔

قَولُہٗ ۔(دوسرا نسخہ) فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۔ اس بر آمدے میں وہ لوگ رہتے ہیں جو پاک ہونے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے (سورہ توبہ آیت ۱۰۸)۔ پادری صاحب کو بھی مناسب ہے کہ آب دست (استنجا۔ طہارعت) وغسل جنابت (ناپاکی) وغیرہ کرکے پاک وصاف رہا کریں، ورنہ خدا کی دوستی سے محروم رہیں گے۔ آپ کے اس حوالہ سے تو کچھ اور ہی حاصل ہے، نہ وہ بات جس کے آپ ساعی ہیں۔ اول، اس میں یہ مصرح نہیں کہ انسان خدا سے محبت رکھے، مگر یہ کہ خدا ایسوں تیسوں کو دوست رکھتا ہے۔ دوم، یہ کہ وہ پاکیزگی جس کا خدا دوست ہے آب دست وغسل جنابت ہے۔ صاحب من ایسی پاکیزگی پر تو آپ جانتے ہوں گے کہ ہنود محمد صاحب سے بڑھ کر زور دیتے ہیں اور اَور ملکوں میں بھی یہ دستور پاک ہونے کا تھا تو اس حالت میں وہ لوگ قرآن کی عدم ضرورت کے مضبوط مدعی ہوسکتے ہیں۔ مگر یہ جسمانی پاکیزگی ہے، خدا دلی طہارت کو دوست رکھتا ہے۔ کہاں بائبل مقدس کا یہ فرمان عمیم (سب پر حاوی۔عام) کہ "خداوند کے پہاڑ پر کون چڑھ سکتا ہے اور اس کے مکان مقدس پر کون کھڑا رہ سکتا ہے۔ وہی جس کے ہاتھ صاف ہیں اور جس کا دل پاک ہے" (زبور ۲۴: ۳، ۴)، پاکیزگی کی پیروی کرو جس کے بغیر خداوند کو کوئی نہ دیکھے گا (متی ۵: ۸؛ عبرانیوں ۱۲: ۱۴) اور کہاں قرآن کا فرمان آب دست اور غسل جنابت جسے موجب حب یزدانی ٹھہرایا ہے۔ ارے صاحب طہارت دلی اور جسمانی میں امتیاز کرکے انصاف سے کہیے کہ اس تذکرہ کی روسے بھی (اِلاّ جو ہماری بحث سے خارج ہے) بائبل قرآن کو فضول ٹھہراتی ہے یا نہیں۔ مکرر (دوبارہ، پھر) اس بات کا خیال رکھنا کہ آپ کا دوسرا نسخہ بھی ہمارے مطلب سے بعید اور غیر مجرب ہے۔

قَولُہٗ ۔(تیسرا نسخہ) یہ ہے کہ تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا توبہ کرو طرف اللہ کے پوری توبہ کرو۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حافظ صاحب آپ کا یہ حوالہ بھی ہمارے نزدیک بے معنی ہے کیونکہ ہمارے مدعا کو تو آپ نے نظر غائب کر رکھا ہے اور لکھتے ہیں کہ توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے، حالانکہ پیش نظر یہ بات تھی کہ انسان عموماً اور تائب خصوصاً اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں۔ اگر اس بات کا خیال رکھتے تو ہمارے ساتھ اس قول میں متفق ہوتے کہ قرآن میں خدا سے محبت رکھنے کا حکم ایسی تاکید اور تفصیل کے ساتھ موجود نہیں جیسا بائبل میں پایا جاتا ہے اور اس لئے اس کے مقابل میں قرآن قاصر ہے۔ بایں موجب آپ کا یہ نسخہ بھی مجرب نہ ٹھہرا۔ آپ نے تثلیث پرستوں کی خاطر تین نسخے لکھے ہیں۔ مگر تثلیث پرست اس بات کے عادی ہیں کہ اس قسم کے نسخوں کو خوب طرح تحقیق کر لیا کرتے ہیں اور سچ کو اختیار کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اب آپ پر بھی ان کا یہ وتیرہ ظاہر ہو گیا ہے۔ اس لئے آیندہ لکھتے وقت یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کچھ لکھنے سے غرض ہے خواہ مطلب سے بعید ہی ہو۔

باہمی محبت

قَوْلُہٗ۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں محبت پیدا کر دی ہے اور ہم کو ایک دوسرے کا بھائی فرمایا ہے۔ دیکھو **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ**۔ "بے شک مسلمان بھائی ہیں"۔ **وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ** "اور محبت ڈال دی ان کے دلوں میں اگر تو اے محمد صاحب خرچ کرتا جو کچھ کہ زمیں میں ہے نہ الفت دے سکتا ان کے دلوں میں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی"۔ دیکھو یہاں کیسی باہمی محبت کی تعریف ہے۔

ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ کیسی محبت کی تعریف ہے اور آپ کے حوالوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ان کا انسان کی باہمی محبت کے لئے حکم ہونے سے تحقیقاً انکار کرتے ہیں۔ بباعث آنکہ یہ صرف محمدیت میں باہمی محبت کا تذکرہ ہے، نہ کہ کل انسانوں میں۔ قرآن میں ایسے مقام بھرے پڑے ہیں جن سے باہمی محبت محدود ٹھہر چکی ہے اور وہ باہمی محبت جس کا بائبل مشاہدہ کرتی ہے قرآن میں ندارد ہے۔

چنانچہ سورہ عمران رکوع ۳ آیت ۲۸ **لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ** "نہ پکڑیں مسلمان کافروں کو رفیق مسلمانوں کے سوا، الخ"۔ سورہ نسا آیت ۱۴۴ میں ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا** " اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر خدا کا صریح الزام لو؟ "۔ سورہ مائدہ آیت ۵۷ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ**

” اے ایمان والوں! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنھوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنار کھا ہے دوست نہ بناؤاور مومن ہو تو خدا سے ڈرتے رہو، الخ“۔ سورہ الممتحنہ ۱۳ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ”مومنو! ان لوگوں سے جن پر خدا غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو (کیونکہ) جس طرح کافروں کو مردوں (کے جی اُٹھنے) کی امید نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں، الخ“۔ سورہ الممتحنہ کی آیت ۸ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ”اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور میل باندھا تمہارے نکالنے پر کہ ان سے دوستی کرو اور جو کوئی ان سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گناہ گار“۔ دیکھو رفتہ رفتہ دائرہ محبت سے ہر ایک کو خارج کر دیا۔ یہ انسانی خیالات ہیں جو اس کی طبیعت کے عین موافق ہیں۔ ہر قسم کی لڑائی، دشمنی اور جدائی جو آدم سے آج تک دنیا میں وارد ہوئی ایسے ہی خیالوں اور ارادوں کا نتیجہ ہے۔ اپنی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ تو اکثر رفاقت رہی ہے۔ اس حب مقید کے بر خلاف دیکھو۔

بائبل یہ فرماتی ہے کتاب احبار ۱۹: ۱۸ ”تو انتقام نہ لینا اور نہ اپنی قوم کی نسل سے کینہ رکھنا بلکہ اپنے ہمسایہ سے اپنی مانند محبّت کرنا۔ مَیں خُداوند ہُوں“۔ انجیل متی ۲۲: ۳۹، ۴۰ میں خداوند نے پہلا اور بڑا حکم بیان کر کے فرمایا کہ دوسرا حکم اس کی مانند ہے کہ ”۔۔۔ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبّت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیا کے صحیفوں کا مدار ہے“۔ اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ پڑوسی کون ہے اس شخص کو یاد کرو جو یریحو کو جاتے ہوئے ڈاکوؤں سے زخمی ہوا (لوقا ۱۰: ۲۹۔ ۳۷)، جو ہم مذہب کی قید کو خارج کرتا ہے اور بھی دیکھو رومیوں کا خط ۱۳: ۸۔ ۱۰۔ پھر لکھا ہے ”بدی کے عِوض کسی سے بدی نہ کرو۔۔۔ جہاں تک ہو سکے تُم اپنی طرف سے سب آدمیوں کے ساتھ میل مِلاپ رکھّو۔ اَے عزیزو! اپنا اِنتقام نہ لو بلکہ غضب کو مَوقع دو کیونکہ یہ لکھا ہے کہ خُداوند فرماتا ہے اِنتقام لینا میرا کام ہے۔ بدلہ مَیں ہی دُوں گا۔ بلکہ اگر تیرا دُشمن بھُوکا ہو تو اُس کو کھانا کھلا۔ اگر پِیاسا ہو تو اُسے پانی پِلا کیونکہ اَیسا کرنے سے تُو اُس کے سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگائے گا۔ بدی سے مغلُوب نہ ہو بلکہ نیکی کے ذریعہ سے بدی پر غالِب آؤ “ (رومیوں ۱۲: ۱۷۔ ۲۱)۔ ”لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ اپنے دشمنوں سے محبّت رکھّو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرو۔ تاکہ تُم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سُورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تُم اپنے محبّت رکھنے والوں ہی سے محبّت رکھو تو تُمہارے لئے کیا اجر ہے؟ کیا محصول لینے والے بھی اَیسا نہیں کرتے؟“ (متی ۵: ۴۴۔ ۴۶)۔ یہ سب باتیں ان امور کو جو محبت باہمی کے مزاحم ہیں دور و دفع کرتی ہیں۔ لاریب باہمی محبت اسی کو کہتے ہیں۔ اے حافظ صاحب! اگر کبھی حالت انصاف اور عدم تعصب کا تجربہ کیا ہو تو آیات قرآنی مذکورہ بالا کو اس تعلیم ربانی سے مقابلہ دے فرمایئے کہ قرآن میں یہ تعلیم ندارد ہے یا نہیں۔ ذرا سوچو کہ جو محبت عناد و دشمنی کی گنجائش رکھتی ہے وہ کیسی محبت ٹھہرے گی۔ اس کے ساتھ دیکھو توضیح عدم ضرورت قرآن فصل ہفتم۔

فصل دوم

عدم ضرورت قرآن ازروئے مقرری امور اخلاقیہ

احکام اخلاقیہ کا ذکر ہو چکا، اب مقرری احکام اخلاقیہ کا تذکرہ پیش ہے۔ ہر دو قسم امور اخلاقیہ میں ہم نے یہ فرق سمجھا ہے کہ اول تو اخلاقی خوبی کو بذاتہ شامل کرتے ہیں اور دوم میں ان کا اخلاقی ہونا مقرر کیے جانے پر موقوف ہے۔ بدون احکام اخلاقیہ کے احکام کے مقرری انسان کے حق میں مطلقاً مفید نہیں۔ مگر احکام مقرری کے بغیر احکام اخلاقیہ انسان کی اخلاقی طبیعت کی ترقی اور طہارت کے لیے مفید ہیں حتٰی کہ اگر وہ نہ بھی ہوں تو بھی یہ تحصیل مدعا کے لیے کفایت کرتے ہیں۔

مقرری امور اخلاقیہ بائبل ربانی		مقرری امور اخلاقیہ قرآنی	
		نماز	
زبور ۶:۹۵	آؤ ہم جھکیں اور سجدہ کریں ! اور اپنے خالق خُداوند کے حُضور گھُٹنے ٹیکیں۔	سورہ بقر آیت ۴۳	اور کھڑی کرو نماز خبر دار رہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے۔
زبور ۵:۲۲	اُنہوں نے تجھ سے فریاد کی اور رہائی پائی۔ اُنہوں نے تجھ پر تُوکّل کیا اور شرمندہ نہ ہوئے۔	سورہ بقر آیت ۲۳۸	پھر جب نماز کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے۔
زبور ۱:۱۷	اَے خُداوند حق کو سُن۔ میری فریاد پر توجُّہ کر۔ میری دُعا پر جو بے ریا لبوں سے نکلتی ہے کان لگا۔(زبور کی کتاب نماز کے حکم اور نمازی باتوں سے پُر ہے)	سورہ نسا آیت ۱۶	پھر جب خاطر جمع سے ہو تو درست کرو نماز۔ یہ نماز ہے مسلمانوں پر وقت بندھا حکم۔
متی ۶:۵۔۶	اور جب تُم دُعا کرو تو ریاکاروں کی مانند نہ بنو ۔۔۔ بلکہ جب تُو دُعا کرے تو اپنی کوٹھری میں جا اور دروازہ بند کرکے اپنے باپ سے جو پوشِیدگی میں ہے دعا کر۔ اِس صُورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔	سورہ نسا آیت ۱۴۱	منافق جو ہیں دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔ اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہو جی ہارے دکھانے کو لوگوں کے اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر کم۔
		احکام دعا کے بائبل مقدس میں تو دیئے گئے ہیں لیکن مطلب کے لئے یہی کافی ہیں	

اس مقابلہ سے ظاہر ہے کہ نماز کے لئے بائبل میں صریح حکم موجود تھا تو قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ کیا کچھ بڑھ کر بیان کیا یا کچھ نئی بات بات سنائی۔ اگر کچھ نئی معلوم ہو تو ہم اس کی بھی عدم ضرورت دکھائے دیتے ہیں اور یاد رہے کہ وہ نئی باتیں جو قرآن میں نماز کے متعلق ٹھہرائی ہیں ایسی ہیں کہ دلی نماز کو ان سے کچھ تقویت نہیں پہنچتی۔ ویسی اَور ان سے بڑھ کر محمد صاحب سے پیشتر رائج تھیں اور ان کے زمانہ میں بھی تھیں۔

<table>
<tr><th colspan="2">۱۔ رخ نماز</th></tr>
<tr><td>یہود ہمیشہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جس وقت سے سلیمان نے ہیکل کی تقدیس کی اس وقت سے یہی ان کا قبلہ رہا (۱۔ سلاطین ۸: ۲۲۔ ۳۰)۔ دانی ایل ۶: ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دانی ایل اپنی کوٹھری کا دریچہ جو یروشلیم کی طرف تھا کھول کر خدا کے حضور دعا اور شکر گزاری کرتا رہا۔
پس اس طرف تو آگے ہی لوگ منہ پھیرتے تھے محمد صاحب کے کہنے کی کچھ حاجت نہ تھی اور جب اس کو چھوڑ نمازی منہ کو بت پرستوں کے قبلہ کی طرف پھیرا تو یہ پہلے بھی وہی رہا تھا آسمانی حکم کی کیا ضرورت تھی۔ کیا کتب الہامیہ سابقہ کے مقلدوں کو بت پرستوں کے رخ نماز سکھانے کی ضرورت تھی۔ کیا صرف اتنی بات کے واسطے وحی نازل ہوئی؟ ارے یارو روح نماز کی ہدایت کے لیے تو پیشتر ہی ایک نہیں دو ہادی موجود تھے۔ ان سے سیکھ کر انہیں کو سکھانا یہ کیسی ضرورت ہے اور پھر یہ دو ہی نہیں ایک الہامی ہادی بھی موجود تھا جس کا پہلے ذکر ہوا۔ پس ان باتوں کے اظہار کے لئے قرآن کی مطلق ضرورت نہ تھی۔</td>
<td>یہی بیت المقدس محمد صاحب کا کئی مہینوں تک قبلہ رہا اور پیرووں کو اسی طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور جب اس سے فائدہ نہ ہوا تو مسجد الحرام کی طرف منہ پھیرنے کی نسبت سوال و جواب سنائے۔
چنانچہ سورہ بقر کے رکوع ۱۷ میں مرقوم ہے کہ "اب کہیں گے بیوقوف لوگ کا ہے پر پھر گئے مسلمان اپنے قبلہ سے جس پر تھے"۔ اس کے جواب میں نئے قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کی یہ وجہ بتائی ہے "اور وہ قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا جس پر تو تھا نہیں۔ مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں کون تابع ہے رسول کا اور کون پھر جائے الٹے پاؤں"۔ بعدہٗ جس قبلہ کی طرف آپ راضی تھے اسی طرف منہ پھیرنے کا حکم آگیا۔ ہماری دانست میں یہ رضا بالجبر تھی۔ جب ادھر سے مطلب براری نہ ہوئی تو قدیم بت پرستوں کے قبلہ کی طرف منہ کرنا سعادت سمجھا اور یہ حکم آیا "اب پھیر اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف"۔ رکوع ۱۸ میں اس حکم کی تکرار آئی ہے۔</td></tr>
<tr><th colspan="2">۲۔ طہارت نماز یعنی وضو</th></tr>
<tr><td>انجیل مقدس سے اور یہود کی کتب احادیث سے ظاہر ہے کہ بدنی طہارت کی وہ قوم بڑی شائق تھی۔ حتٰی کہ مسیح نے انہیں اس امر میں ملامت بھی کی کہ تم انسانی احکام سے شریعت کو ٹالتے ہو اور ایسا بہت کچھ کرتے ہو۔ اس سے مصرح ہے کہ یہ باتیں یہودیوں میں ان کی بناوٹ تھی۔ جب یہ حال ہے تو کیا ضرور تھا کہ انسانی بناوٹ وحی کے منہ میں ڈالی جائے۔</td>
<td>سورہ مائدہ آیت ۷ رکوع ۲ "اے ایمان والو جب تم آٹھ نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھو کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا ایک شخص تم میں سے آیا ہے جائے ضرور سے یا لگے ہو عورتوں سے پھیر نہ پاؤ پانی تو قصد کرو زمین پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ وہاں سے۔ (اس کے موافق دیکھو سورہ نسار کوع ۷ آیت ۴۲)</td></tr>
</table>

جب خیال گزرتا ہے کہ ان باتوں میں یہودی محمد صاحب کے ہادی تھے تو قرآن کی مطلق ضرورت نہیں معلوم ہوتی اور خاکی وضو کی نسبت نہ صرف یہود کے بلکہ فارسی آتش پرستوں کے بھی دین دار تھے۔ وقت ضرورت کے وہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ خاک یاریت سے وضو کرتے یعنی پاک کرنے کا حکم گمارا[1] میں آیا ہے۔ (ڈیونسخ) اور جنابت وغیرہ سے پاک ہونے کی بابت معلوم ہو کہ یہ نہ صرف اس وقت کے عربوں ہی کی رسم تھی بلکہ یہودیوں کو بھی ایسا ہی حکم تھا۔ دیکھو انتخاب طالمود و مولف بارکلی باب ۳ "مرد اپنی جریان کی ناپاکی میں اور عورت اپنی ناپاکی میں غسل کرے"۔ جس حال کہ یہ رسوم پیشتر موجود تھیں تو قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ کیا قرآن میں درج ہونے سے الہامی ہو گئیں، نہیں۔ اگلی بناوٹوں میں سے ایک بناوٹ ہے اور اس لئے فضول ہے۔

۳۔ اوقات نماز

یہود اس امر میں محمد صاحب کے پیش رو ہیں۔ چنانچہ انہیں سہ گانہ نماز کا حکم تھا اور وہ ایسا ہی کرتے تھے جیسا دانی ایل کی دعا سے ظاہر ہے باب ٦ آیت ١٠ اور دیکھو زبور ۵۵:۱۷، اعمال ۲:۱۵ اور ۳:۱ اور ۱۰:۹ پس یہ وقت نماز کے پیشتر بھی تھے اور نہ صرف یہودیوں میں بلکہ مشرقی مسیحیوں میں بھی عموماً یہی وقت رائج تھے۔ محمد ﷺ کے مقرر کرنے کی کچھ حاجت نہ تھی۔ یہ کچھ نئی بات نہ تھی۔ انہیں مروجہ کو آپ بھی درج کر گئے۔	سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۰ رکوع ۹ "کھڑی رکھ نماز سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک"۔ پھر سورہ ق رکوع ۲ آیت ۳۸، ۳۹ "اور پاکی بول خوبیاں اپنے رب کی پہلے سورج نکلنے اور پہلے ڈوبنے سے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیچھے سجدہ کے۔

اوقات نماز کا بیان یہودیوں کی طالمود میں بھی آیا ہے، دیکھو انتخاب طالمود باب ۴ مولف بارکلی "فجر کی نماز دوپہر تک پڑھی جاسکتی ہے"۔ ربی یہوداہ کہتا ہے "چوتھے گھنٹے تک سہ پہر کی دعا شام تک"۔ ربی یہوداہ کہتا ہے "نصف سہ پہر تک۔ شام کی نماز کی قید نہیں ہے اور زائد دعائیں سارا دن مانگی جاسکتی ہیں"۔ ربی یہوداہ کہتا ہے "ساتویں گھنٹے تک"۔ پس سن کے یا اوروں کی دیکھا دیکھی ان باتوں کو فرض ٹھہرا کر کیا کتب سابقہ کو برطرف کر گئے، ہر گز نہیں۔ اپنی تصنیف کی عدم ضرورت پر شہادت دے گئے۔ اس لئے بائبل کے ہوتے ہوئے ہم کیونکر قرآن کی سماعت کریں۔ اے ناظرین ذرا سوچو کون سی کسر تھی جو محمد صاحب نے پوری کی۔ اگر نہیں تو ان کی تقلید سے کیا حاصل ہے۔ اسی بائبل کی طرف کیوں نہ رجوع کریں جو ہر امر ضروری کا مخزن اور مخرج ہے۔

---

[1] Gemara

روزہ	
”اور خُداوند نے مُوسیٰ سے کہا۔اُسی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفّارہ کا دِن ہے۔ اُس روز تُمہارا مُقدّس مجمع ہو اور تُم اپنی جانوں کو دُکھ دینا اور خُداوند کے حضور آتِشین قُربانی گذُراننا“ (احبار۲۳:۲۷)۔یہ یہودیوں کے لیے سالانہ روزہ تھا۔ مگر اور موقع پر بھی روزہ رکھتے تھے جیسا کئی مقاموں سے ظاہر ہے (یوئیل نبی کی کتاب۱:۱۴)۔یہ روزے اس حالت میں رکھے جاتے تھے جب کوئی بڑا سبب اس کا متقاضی ہوتا تھا۔ ”اور جب تُم روزہ رکھّو تو ریاکاروں کہ طرح اپنی صُورت اُداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا مُنہ بِگاڑتے ہیں تاکہ لوگ اُن کو روزہ دار جانیں۔ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ وہ اپنا اجر پاچکے۔ بلکہ جب تُو روزہ رکھّے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور مُنہ دھو۔ تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔ اِس صُورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا“(متی ۶:۱۶۔۱۸)۔	اے ایمان والو حکم ہوا تم پر روزے کا جیسے حکم ہوا تھا تم سے اگلوں پر۔شاید تم پرہیز گار ہو جاؤ“۔سورہ بقر رکوع ۲۳ آیات ۱۸۷، ۱۸۵”مہینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت واسطے لوگوں کے اور کھلی نشانیاں راہ کی اور فیصلہ۔ پھر جو کوئی پائے تم میں یہ مہینہ تو وہ روزہ رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں تو گنتی چاہے اور دنوں سے“۔ حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ان کی۔ اللہ نے معلوم کیا کہ تم اپنی چوری کرتے تھے۔ سو معاف کیا تم کو اور در گزر کی تم سے۔ پھر اب ملو ان سے اور چاہو جو لکھ دیا اللہ نے تم کو اور کھاؤ اور پیو جب تک صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید جدی دھاری سیاہ سے فجر کی پھر پورا کرو روزہ رات تک۔

جواب۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی اور مسیحی جانتے تھے کہ روزہ کیا چیز ہے اور محمد صاحب نے کوئی نیا عقدہ حل نہ کیا اور نہ پہلی کمی کو پورا کیا۔اس لئے اظہار روزہ کے لئے بھی قرآن کی عدم ضرورت اظہر ہے اور اس آیت میں محمد صاحب خود بھی اگلوں کا حوالہ دیتے ہیں ۔پس آپ کے ہی منہ سے عدم ضرورت ٹپکتی ہے۔چند باتیں اس روزہ کے بھی متعلق ہیں جو اغلباً نئی معلوم ہوں۔ مگر ہمیں تو کوئی نئی نہیں معلوم ہوتیں جیسے کھانے پینے سے اور عورتوں سے پرہیز۔چنانچہ سیل صاحب دیباچہ قرآن انگریزی کی فصل ۴ میں لکھتے ہیں کہ:

”روزے کی نسبت بھی محمد صاحب نے یہود کی پیروی کی ہے۔یہودی روزوں میں نہ صرف کھانے پینے سے پرہیز کرتے بلکہ عورتوں سے اور چکنا لگانے سے بھی۔دن نکلنے سے سورج غروب ہونے تک اور رات کو جو چاہتے کھاتے تھے“۔

یہ بیان صاحب موصوف گمارا (شرح مشناہ) سے نقل کرتے ہیں ۔اس کے موافق مشناہ میں بھی پایا جاتا ہے یعنی کام کرنے ،نہانے ،چکنا لگانے ، جوتی پہننے،چارپائی پر سونے ، منگنی اور شادی کرنے سے روزوں میں ممانعت ہے۔دیکھو انتخاب طالمود کتاب ۸ باب ا وغیرہ مولف ڈاکٹر بار کلی[1]۔

[1] Talmud By Dr Joseph Barclay

خیرات یا صدقہ			
بائبل مقدس		قرآن مجید	
متی ۶: ۱۔۴	خبر دار اپنے راستبازی کے کام آدمیوں کے سامنے دِکھانے کے لئے نہ کرو۔ نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان پر ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں ہے۔ پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگانہ بجوا جیسا ریاکار عبادتخانوں اور کُوچوں میں کرتے ہیں تا کہ لوگ اُن کی بڑائی کریں۔ مَیں تم سے سَچ کہتا ہُوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تُو خَیرات کرے تو جو تیرا دہنا ہاتھ کرتا ہے اُسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔ تا کہ تیری خَیرات پوشیدہ رہے۔ اِس صُورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔	سورہ بقر رکوع ۳۷ آیت ۲۷۱	اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو تم کو بہتر ہے۔ اور اتارتا ہے کچھ گناہ تمہارے۔
رومیوں ۱۲: ۸	"۔۔۔ خیرات بانٹنے والا سخاوت سے بانٹے۔۔۔"	سورہ بقر رکوع ۲۲ آیت ۱۷۷	اور دے مال اس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے کو۔
۲۔ کرنتھیوں ۹: ۷	جِس قدر ہر ایک نے اپنے دِل میں ٹھہرایا ہے اُسی قدر دے۔ نہ دریغ کر کے اور نہ لاچاری سے کیونکہ خُدا خُوشی سے دینے والے کو عزِیز رکھتا ہے۔	سورہ حدید رکوع ۲ آیت ۱۱، ۱۷	کون ہے ایسا کہ قرض دے اللہ کو اچھی طرح قرض پھر وہ اس کو دونا کر دے اس کے واسطے اور اس کو ملے نیک عزت کا۔ تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد اور عورت اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح قرض دونی ملتی ہے ان کو اور ان کو نیک ہے عزت کا۔
امثال ۲۲: ۹	جو نیک نظر ہے برکت پائے گا کیونکہ وہ اپنی روٹی میں سے مسکینوں کو دیتا ہے۔		ان کے موافق دیکھو سورہ نسا رکوع ۱۸، مائدہ رکوع

استثنا۱۴:۲۹	تب لاوی جس کا تیرے ساتھ کوئی حِصّہ یا میراث نہیں اور پردیسی اور یتیم اور بیوہ عَورتیں جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہوں آئیں اور کھا کر سیر ہوں تاکہ خُداوند تیرا خُدا تیرے سب کاموں میں جِن کو تُو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت بخشے۔		۱۳،اعراف رکوع ۵اور فرقان رکوع ۶ ۔ان مقامات میں مثل مذکورہ کے تفصیل نہیں ہے۔
استثنا۱۵:۷۔۱۱	اور چُونکہ مُلک میں کنگال سدا پائے جائیں گے اس لئے مَیں تجھ کو حکم کرتا ہُوں کہ تُو اپنے مُلک میں اپنے بھائی یعنی کنگالوں اور مُحتاجوں کے لئے اپنی مٹھی کھلی رکھنا۔ (صرف آیت ۱۱ کا اقتباس کیا جاتا ہے)		

پس اس تاکید اور تفصیل ربانی کی موجودگی میں تکرار فضول قرآنی کی کیا گنجائش، کیا حاجت اور کیا ضرورت تھی۔

حلال اور حرام	
شراب اور شرابی ہونا	
”تو شرابیوں میں شامل نہ ہو اور نہ حرِیص کبابیوں میں کیونکہ شرابی اور کھاؤ کنگال ہو جائیں گے اور نیند اُن کو چیتھڑے پہنائے گی“ (امثال ۲۳: ۲۰،۲۱)۔”کون افسوس کرتا ہے ؟ کون غمزدہ ہے ؟ کَون جھگڑالُو ہے ؟ کَون شاکی ہے ؟ کَون بے سبب گھایل ہے ؟ اور کس کی آنکھوں میں سُرخی ہے ؟ وُہی جو دیر تک مَے نوشی کرتے ہیں۔ وُہی جو ملائی ہُوئی مَے کی تلاش میں رہتے ہیں“(امثال ۲۹،۳۰)۔”اُن پر افسوس جو صُبح سویرے اُٹھتے ہیں تاکہ نشہ بازی کے درپَے ہوں اور جو رات کو جاگتے ہیں جب تک شراب اُن کو بھڑکا نہ دے!اور اُن کے جشن کی محفلوں میں بربط اور سِتار اور دف اور بین اور شراب ہیں لیکن وہ خُداوند کے کام کو نہیں سوچتے اور اُس کے ہاتھوں کی کارِیگری پر غَور نہیں کرتے“(یسعیاہ ۵:۱۱،۱۲)۔”اور شراب میں متوالے نہ بنو کیونکہ اِس سے بد چلنی واقع ہوتی ہے بلکہ رُوح سے معمُور ہوتے جاؤ“(افسیوں کا خط ۵:۱۸)اور بہت مقامات میں یہی مضمون ہے۔	سورہ مائدہ رکوع ۱۲ آیت ۹۲” اے ایمان والو یہ جو شراب اور جوا اور بت اور پانسے گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو شاید تمہارا بھلا ہو۔سورہ بقر رکوع ۲۷ آیت ۲۱۸”تجھے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا تو کہہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے سے بڑا ہے اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اس سے نشہ اور روزی خاصی اس کا پتاہے ان لوگوں کو جو بوجھتے ہیں۔ احکام قرانی میں لفظ شاید کا کیازور اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ اجر کو مشتبہ ٹھہراتا ہے۔

خنزیر وغیرہ اور مردار	
"یہ تمہاری سب سکُونت گاہوں میں نسل در نسل ایک دائمی قانُون رہے گا کہ تُم چربی یا خون مطلق نہ کھاؤ"(احبار ۳:۱۲،۱۷)(اس جگہ صرف آیت ۱۷کا حوالہ درج ہوا ہے)۔"اور سُؤر کو کیونکہ اُس کے پاؤں الگ اور چِرے ہُوئے ہیں پر وہ جُگالی نہیں کرتا۔ وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے"(احبار ۱۱:۷)۔"اِسی لئے مَیں نے بنی اِسرائیل سے کہا ہے کہ تُم میں سے کوئی شخص خُون کبھی نہ کھائے اور نہ کوئی پردیسی جو تُم میں بُود وباش کرتا ہو کبھی خُون کو کھائے"(احبار ۱۷:۱۰،۱۲) (یہاں پر فقط ۱۲آیت کا حوالہ ہے)۔اس کے موافق دیکھو استثنا باب ۱۲کُل اور ذبح کرنے کی نسبت آیات ۱۵، ۲۱میں یوں مرقوم ہے"پر گوشت کو تُو اپنے سب پھاٹکوں کے اندر اپنے دِل کی رغبت اور خُداوند اپنے خُدا کی دی ہُوئی برکت کے مُوافق ذبح کرکے کھاسکے گا۔ پاک اور ناپاک دونوں طرح کے آدمی اُسے کھاسکیں گے جیسے چکارے اور ہرن کو کھاتے ہیں"(آیت ۱۵)۔"اور اگر وہ جگہ جسے خُداوند تیرے خُدا نے اپنے نام کو وہاں قائم کرنے کے لِئے چُنا ہو تیرے مکان سے بہت دُور ہو تو تو اپنے گائے بیل اور بھیڑ بکری میں سے جن کو خُداوند نے تجھ کو دِیا ہے کسی کو ذبح کرلینا اور جیسا مَیں نے تجھ کو حکم دِیا ہے تُو اُس کے گوشت کو اپنے دِل کی رغبت کے مُطابق اپنے پھاٹکوں کے اندر کھانا" (آیت ۲۱)اور مردار کی نسبت دیکھو احبار ۱۷:۱۵اور استثنا ۱۴:۲۱۔	سورہ نحل رکوع ۱۵آیت ۱۱۶"یہی حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور سوٗر کا گوشت اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کسی کا"۔آیت ۱۱۹" اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر حرام کیا تھا جو تجھ کو سنا چکے تھے"۔سورہ انعام رکوع ۱۸آیت ۱۴۵،۱۴۶ "تو کہہ میں نہیں پاتا جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا کوئی چیز حرام کھانے والے کو جو اس کو کھائے۔ مگر یہ کہ مردہ ہو یا لہو پھینک دینے کا۔ یا گوشت سوٗر کا کہ وہ ناپاک ہے۔ یا گناہ کی چیز جس پر پکارا اللہ کے سوائے کسی کا نام اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا اور گائے بکری میں سے حرام کی ان کی چربی مگر جو لگی ہو پیٹھ پر یا آنت میں یا ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے سزا دی تھی ان شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ پیٹھ اور آنت اور ہڈی پر کی چربی کو حلال بیان کرنے میں محمد صاحب نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ احبار ۷:۲۳ میں چربی کا کھانا منع ہے۔"بنی اسرائیل سے کہہ کہ تم لوگ نہ تو بیل کی نہ بھیڑ کی اور نہ بکری کی کچھ چربی نہ کھانا" اور پھر یہ امر یہود کی شرارت کے لیے کوئی سزا نہ تھی جیسا محمد صاحب لکھتے ہیں۔ لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ سب چربی خداوند کے لیے ہے(احبار ۳:۹۔۱۱،۱۷)۔

اب لازم ہے کہ ناظرین کو یاد دلایا جائے کہ توریت میں ان امور مقرری کی نسبت کچھ نہ کچھ سبب روا اور ناروا ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔ اِلّا(مگر۔ لیکن) محمد صاحب نے نہیں معلوم کس سبب یہ باتیں درج کیں۔ غالباً یہودیوں کی دیکھا دیکھی آپ نے یوں ہی فرمادیں۔ خواہ کسی سبب سے کیں مگر ان کی عدم ضرورت میں ذرا بھی کلام نہیں ہے۔ کیونکہ محمد صاحب مثل یہود کے توریت کی ان باتوں کی نسبت غلط فہمی اور دھوکے میں پڑے جو بطور نبوت کے بیان ہوئی ہیں اور نیز وہ جو بلحاظ حفاظت قومیت(قوم یہود) کے مسطور ہوئیں۔ پیش گوئی خواہ کسی صورت سے کہی جائے اپنے وقوع تک زور رکھتی ہے اور تشخیص حلال وحرام کی اور دیگر انقیادی امور بنی اسرائیل کے دائرہ قومیت کے اندر ہی اثر رکھتے ہیں۔ غرض کہ دونوں قسم کی باتوں سے ایک مآل(نتیجہ۔ انجام) مدنظر تھا اور جب وہ حاصل ہو گیا تو وہ باتیں اپنی ترویج مزید کی آپ ہی مانع ہوتی ہیں۔

پس اولاً۔ واضح ہو کہ رسوم قربانی مندرجہ توریت ایک قربانی اعظم کی عملی نبوت تھیں۔ ان کی حد تام وہیں تک تھی اور اسی لئے ان کی نسبت پاک اور ناپاک جانوروں کی تشخیص آئی ہے اور بعدہٗ کسی جانور کی قربانی اور اس کے لوازمات پر عدم ضرورت کا زور ہے، نہ کہ وحی کا۔ ثانیاً۔ توریت کے احکام رسمی غیر اقوام میں مشتہر کرنے کا حکم کسی کتاب عہد عتیق میں نہیں آیا اور نہ یہودیوں نے اس امر میں کوشش ہی کی۔ اگر آپ ہی آپ کوئی سیکھ لے تو اس سے ان کی ترویج عمیم کی ضرورت عائد نہ ہو گی۔ ثالثاً۔ یہ احکام بنی اسرائیل کی قومیت کی حفاظت اور صرف انہیں کے عمل کے لیے مقرر ہوئے۔ چنانچہ خود توریت ہی سے مصرح ہے کتاب استثنا ۱۴: ۱۔ ۲۹ "تُم خُداوند اپنے خُدا کے فرزند ہو۔ تُم مُردوں کے سبب سے اپنے آپ کو زخمی نہ کرنا اور نہ اپنے ابرُو کے بال مُنڈوانا۔ کیونکہ تُو خُداوند اپنے خُدا کی مُقدّس قَوم ہے اور خُداوند نے تجھ کو رُویِ زمین کی اَور سب قَوموں میں سے چُن لِیا ہے تاکہ تُو اُس کی خاص قَوم ٹھہرے۔ تُو کسی گھنونی چِیز کو مت کھانا"، الخ۔ پھر باب ۲۶ کے آخر تک متفرق حقوق اور احکام کا ذکر کر کے اسی باب کی آیت ۱۶ سے آخر تک یوں فرماتا ہے "خُداوند تیرا خُدا آج تجھ کو اِن آئین اور احکام کے ماننے کا حکم دیتا ہے۔ سو تُو اپنے سارے دِل اور ساری جان سے اِن کو ماننا اور اِن پر عمل کرنا۔ تُو نے آج کے دِن اِقرار کیا ہے کہ خُداوند تیرا خُدا ہے اور تُو اُس کی راہوں پر چلے گا اور اُس کے آئین اور فرمان اور احکام کو مانیں گے اور اُس کی بات سُنے گا۔ اور خُداوند نے بھی آج کے دِن تجھ کو جَیسا اُس نے وعدہ کیا تھا اپنی خاص قَوم قرار دِیا ہے تاکہ تو اُس کے سب حکموں کو مانے۔ اور وہ سب قَوموں سے جن کو اُس نے پَیدا کیا ہے تعریف اور نام اور عزت میں تجھ کو مُمتاز کرے اور تُو اُس کے کہنے کے مُطابِق خُداوند اپنے خُدا کی مُقدّس قَوم بن جائے"۔ پھر ۷: ۶۔ ۱۱ میں یوں مرقوم ہے "کیونکہ تُو خُداوند اپنے خُدا کے لئے ایک مُقدّس قَوم ہے۔ خُداوند تیرے خُدا نے تجھ کو رُویِ زمین کی اَور سب قَوموں میں سے چُن لِیا ہے تاکہ اُس کی خاص اُمّت ٹھہرے۔۔۔ اس لئے جو فرمان اور آئین اور احکام مَیں آج کے دِن تجھ کو بتاتا ہُوں تُو اُن کو ماننا اور اُن پر عمل کرنا"۔ ان سے اور اسی قسم کے اور مقامات سے بخوبی روشن ہے کہ رسمی احکام کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کا ایک علیٰحدہ اور خاص قوم رہنا متصور ہو۔ رابعاً۔ ان احکام مقرری کو دائمی قرار دینے یا ان کے دوام کو قیام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لفظ جس کے معنی ابدی کئے گئے ہیں عبرانی میں کئی ایک معنی ادا کرتا ہے اور متفرق معنوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قوم کے زمانہ قیام پر بولا جاتا ہے۔ پس جب ان احکام کی نسبت لفظ ابدی کا استعمال ہوتا ہے تو صرف ان کے زمانہ قیام سے مراد ہے۔ خامساً۔ ان باتوں کی تواریخی حقیقتیں تقویت کرتی ہیں۔ چنانچہ خداوند مسیح کے شہود پر وہ انتظام سابق اپنی میعاد معینہ پر پہنچ گیا اور مطلب مقصودہ حاصل ہوا۔ وہ ہیکل اور اس کے تعقات ختم ہوئے۔ توریت کے مقاصد مسیح میں پورے ہوئے۔ ان کے قیام کا زمانہ اسی عظیم الشان خدائے مجسم تک تھا۔ اس لئے مسیح کے بعد ان کے رواج دینے کا خیال کرنا بھی غلط فہمی اور ترغیب ترویج عدم ضرورت میں داخل ہے۔ جب خدا تعالیٰ کوئی انتظام خواہ الہام کے ذریعہ اور خواہ نیچر کے ذریعہ کسی خاص امر کی تحصیل کے لئے مقرر کرتا ہے تو بروقت تحصیل مطلب کے وہ انتظام ختم ہو جاتا اور اس کا زور موثر نہیں رہنے پاتا۔ امور مقرری مذکورہ صدر کا یہی حال ہے۔ اس لئے ان کی رو سے جو کہ اپنا کام دے چلے تھے قرآن کی عدم ضرورت پر ہم لاریب فیہ کہتے ہیں۔ خداوند فضل کرے۔

فصل سوم

عدم ضرورت قرآن ازروئے طریق الحیات

اگر مضامین بائبل کا اختصار کر کے صرف ایک مدعا بیان کیا جائے تو بقایا حیات ابدی کو ایک مال مقصودہ پائیں گے۔ چنانچہ بائبل اس کا خود ہی اظہار کرتی ہے۔"کیونکہ خُدا نے دُنیا سے اَیسی محبّت رکھّی کہ اُس نے اپنا اِکلوتا بیٹا بخشدِیا تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"(یوحنا۳:۱۶) اور یہی وعدہ ہے جو اس نے ہم سے کیا یعنی ہمیشہ کی زندگی کا(۱۔یوحنا۲:۲۵)۔"۔۔۔تاکہ وہ ان سب کو جنہیں تو نے اسے بخشا ہے ہمیشہ کی زندگی دے"(انجیل یوحنا۱۷:۲)۔جاننا چاہیئے کہ ازروئے بائبل حیات ابدی محض ہستی ہی نہیں بلکہ ان تعلقات ضروری کو شامل کرتی ہے جن سے وہ آراستہ ہو۔انسان کے لئے ایک ضروری اور بہترین ہستی ٹھہرتی ہے۔پس اس حال میں نجات کیا ہے؟ یہ کہ ان چیزوں سے جو حیات ابدی کی مانع اور مزاحم ہیں یعنی جسمانی اور روحانی آلودگی اور سختی سے رہائی پانا اور یوں روحانیت اور طہارت سے آراستہ ہو مال مذکورہ کو حاصل کرسکتے ہیں۔اس لئے جو جو طریق نجات کے بائبل اور قرآن میں مرقوم ہیں ان پر غور کرنا اور بایں جہت قرآن کی عدم ضرورت کا قائل ہونا روح فروشوں کے لئے عین سعادت ہے۔

طریق الحیات مندرجۂ بائبل مقدس	طریق الحیات مندرجۂ قرآن مجید
نجات خدا کے فضل سے ہے	
"اَے میری جان! خُداوند کو مُبارک کہہ اور اُس کی کسی نِعمت کو فراموش نہ کر۔وہ تیری ساری بدکاری کو بخشتا ہے۔ وہ تجھے تمام بیماریوں سے شِفا دیتا ہے"(زبور۱۰۳:۲،۳)۔" اَے اِسرائیل! خُداوند پر اِعتماد کر کیونکہ خُداوند کے ہاتھ میں شفقت ہے۔اُسی کے ہاتھ میں فِدیہ کی کثرت ہے اور وُہی اِسرآئیل کا فِدیہ دیکر اُس کو ساری بدکاری سے چھُڑائے گا"(زبور۱۳۰:۷،۸)۔"مگر خُدا نے اپنے رحم کی دَولت سے اُس بڑی محبّت کے سبب سے جو اُس نے ہم سے کی۔جب قصوروں کے سبب سے مُردہ ہی تھے تو ہم کو مسیح کے ساتھ زِندہ کِیا۔(تُم کو فضل ہی سے نجات ملی ہے)"(افسیوں ۲:۴،۵)۔"کیونکہ خُدا کا وہ فضل ظاہِر ہُوا ہے جو سب آدمیوں کی	"اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا ان میں جو پکڑے آئے"(سورہ صفات رکوع ۲ آیت ۵۵)۔ "اور کبھی نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر۔نہ سنوارتا تم میں ایک شخص کبھی(یعنی شیطان نہ سنوارتا) ولیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے اور اللہ سب سنتا،جانتا ہے"(سورہ نور رکوع ۳ آیت ۲۱)۔ "شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش کا اور فضل کا"(سورہ بقر رکوع ۳۷ آیت ۲۶۸)۔ "خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے"(سورہ عمران رکوع ۸ آیت ۷۳)۔

نجات کا باعث ہے"(ططس ۲: ۱۱)۔"مگر جب ہمارے منجی خُدا کی مِہربانی اور اِنسان کے ساتھ اُس کی اُلفت ظاہِر ہُوئی۔ تو اُس نے ہم کو نجات دی مگر راستبازی کے کاموں کے سبب سے نہیں جو ہم نے خُود کئے بلکہ اپنی رحمت کے مُطابِق نئی پَیدایش کے غُسل اور رُوحُ اُلقدس کے ہمیں نیابنانے کے وسیلہ سے۔ جِسے اُس نے ہمارے منجی یِسُوع مسیح کی معرفت ہم پر اِفراط سے نازِل کِیا۔ تاکہ ہم اُس کے فضل سے راستباز ٹھہر کر ہمیشہ کی زِندگی کی اُمید کے مُطابِق وارِث بنیں"(ططس ۳: ۴۔ ۷)۔	"اور وہ ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور معاف کرتا ہے برائیاں، الخ"(سورہ شعرار کوع ۲ آیت ۲۴)۔

عزیز ناظرین خیال رکھنا کہ عدم ضرورت قائم کرنا بجا ہے یا بے جا۔

نجات ایمان سے ہے	
" میری جان کو خُدا ہی کی آس ہے۔ میری نجات اُسی سے ہے"(زبور ۶۲: ۱)۔" فی الحقیقت ٹِیلوں اور پہاڑوں پر کے ہجوم سے کُچھ اُمّید رکھنا بے فائدہ ہے۔ یقیناً خُداوند ہمارے خُدا ہی میں اِسرائیل کی نجات ہے"(یرمیاہ ۳: ۲۳)۔"اور ہمیشہ کی زِندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خُدایِ واحِد اور برحق کو اور یِسُوع مسیح کو جِسے تُو نے بھیجا ہے جانیں"(یوحنا ۱۷: ۳)۔"کیونکہ تُم کو اِیمان کے وسیلہ سے فضل ہی سے نجات مِلی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں۔ خُدا کی بخشش ہے" (افسیوں ۲: ۸)۔"راستباز ایمان سے جیتا رہے گا"(گلتیوں ۳: ۱۱۔ آخری جملہ)۔ " اور بغیر اِیمان کے اُس کو پسند آنا ناممکن ہے۔ اِس لئے کہ خُدا کے پاس آنے والے کو اِیمان لانا چاہئے کہ وہ مَوجُود ہے اور اپنے طالبوں کو بدلہ دیتا ہے"(عبرانیوں ۱۱: ۶)۔ "اور میرا راستباز بندہ ایمان سے جِیتا رہے گا اور اگر وہ ہٹے گا تو میرا دِل اُس سے خُوش نہ ہوگا"(عبرانیوں ۱۰: ۳۸)۔"جو بیٹے پر ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُس کی ہے لیکن جو بیٹے کی نہیں مانتا زِندگی کو نہ دیکھے گا بلکہ اُس پر خُدا کا غضب رہتا ہے"(یوحنا ۳: ۳۶)۔	"نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ ولیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے"(سورہ بقر رکوع ۲۲ آیت ۱۷۷)۔ " اور اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو"(سورہ عمران رکوع ۱۵ آیت ۱۴۴۔ آخری جملہ)۔ "اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم اتار دیتے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے نعمت کے باغوں میں۔ اور اگر وہ قائم رکھیں توریت اور انجیل کو اور جو اترا ان کو ان کے رب کی طرف سے تو کھائیں اپنے اوپر سے اور پاؤں سے"(سورہ مائدہ رکوع ۹ آیت ۷۰)۔ " اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا اتارے اس کی برائیاں اور داخل کرے اس کو باغوں میں وغیرہ یہی بڑی مراد ملتی"(سورہ تغابن رکوع ۱ آیت ۹)۔

انجیل تاکیدِ ایمان سے پُر ہے۔ جب یہ حال ہے تو اس میں اور کیا پڑ سکتا ہے، کچھ نہیں۔ اس لئے قرآن کی عدم ضرورت میں شک نہیں ۔اگر کسی کو یہ کہنے کا شوق کو دے کہ ایمان مسیحی کو خارج کر ایمان محمدی کو جس کا سورہ اعراف رکوع ۱۹ آیت ۱۵۸ میں ذکر آیا ہے قائم کرنے کی ضرورت تھی تو لازم ہے کہ اس ضرورت کی کیوں اور کس طرح کا جواب دیا جائے اور سوائے جنگ اور شہوت بازی وغیرہ کے کسی امر میں محمد صاحب کو خداوند یسوع مسیح سے افضل ثابت کیا جائے۔ اب تک کے مقابلہ سے محمد صاحب میں کمی بے شک ظاہر ہوتی رہی۔

نیک کام اچھے اور ضروری ہیں	نجات نیک کاموں سے ہے
”اِسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں“(متی ۱۶:۵)۔ ”کیونکہ نیکوکار کو حاکِموں سے خَوف نہیں بلکہ بدکار کو ہے۔ پس اگر تُو حاکم سے نڈر رہنا چاہتا ہے تو نیکی کر۔ اُس کی طرف سے تیری تعریف ہو گی“(رومیوں ۱۳:۳)۔ ”اور خُدا تُم پر ہر طرح کا فضل کثرت سے کر سکتا ہے تاکہ تُم کو ہمیشہ ہر چِیز کافی طَور پر مِلا کرے اور ہر نیک کام کے لئے تمہارے پاس بہت کُچھ مَوجُود رہا کرے“(۲۔کرنتھیوں ۸:۹)۔ ” کیونکہ ہم اُسی کی کارِیگری ہیں اور مسیح یِسُوع میں اُن نیک اعمال کے واسطے مخلُوق ہُوئے جن کو خُدا نے پہلے سے ہمارے کرنے کے لئے تیّار کِیا تھا“ (افسیوں ۲:۱۰)۔ ”اور نیکی کریں اور اچّھے کاموں میں دولتمند بنیں اور سخاوت پر تیار اور امداد پر مُستعِد ہوں“(۱۔ تیمتھیس ۶:۱۸)۔ ”تاکہ مردِ خُدا کامِل بنے اور ہر ایک نیک کام کے لئے بِالکُل تیار ہو جائے“(۲۔ تیمتھیس ۳:۱۷)۔ ”یہ بات سچ ہے اور مَیں چاہتا ہُوں کہ تُو اِن باتوں کا یقینی طور سے دعویٰ کرے تاکہ جِنہوں نے خُدا کا یقین کِیا ہے وہ اچّھے کاموں میں لگے رہنے کا خیال رکھیں۔ یہ باتیں بھلی اور آدمیوں کے واسطے فائدہ مند ہیں“۔(ططس ۳:۸)۔	”اور جو یقین لائے اور عمل نیک کیے وہ لوگ ہیں جنت کے وہ اسی میں رہ پڑے“(سورہ بقر رکوع ۹ آیت ۸۱)۔ ”اور جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اس کے مقدور کا وہ ہیں جنت کے لوگ اور اس میں رہ پڑے“(سورہ اعراف رکوع ۵ آیت ۴۳)۔ ”مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان“(سورہ فرقان رکوع ٦ آیت ۷۰)۔ ”اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تم کو بہتر ہے اور اتارتا ہے کچھ گناہ تمہارے“(سورہ بقر رکوع ۳۷ آیت ۲۷۱)۔ ”اور کھڑی کر نماز دونوں سرے دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو،الخ“(سورہ ہود رکوع ۱۰ آیت ۱۱۵)۔ قرآن کے نیک کاموں کا مفصل بیان اس سے پیشتر ہو چکا ہے۔

اب چونکہ محمد صاحب نے نیک کاموں میں وہ باتیں بھی داخل کیں ہیں جو توریت میں عارضی طور سے مقرر ہوئی تھیں۔ اس لئے ان کا دوبارہ حکم دینا یا طریق الحیات میں سے ایک طریق قرار دینا فضول ہے۔ پھر چونکہ حضرت نے صرف ابنیائے سابقین کے ڈھب پر نیک کاموں کی تاکید ہی کی اور یوں اپنی رسالت کے فضول ہونے پر گواہی دی بلکہ ان کاموں کو شرط نجات بتایا اور انسان کی ناقابلیت کا کچھ خیال نہ کیا، کوئی علاج نہ بتایا

جس سے نا قابلیت دور ہو کر طہارت دلی حاصل ہو اور علاج مشہودہ سے بھی آنکھ بچا کے وہ بھاری بوجھ پھر بے چارے لوگوں ہے کے سر پر دے مارا۔ اس لئے ایسے مناد کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ اس سے تو یوں ہی بھلے ہیں۔

مگر انجیل سے یہ بات ظاہر ہے کہ نجات ایمان سے ہے اور اس ایمان کی توفیق سے نیک کام کرنے کا مقدور حاصل ہوتا ہے اور یوں ایماندار نیک کام کر کر کے میلان بد اور گناہ کی آلودگی سے صاف ہوتا رہتا ہے اور پاکیزگی کو جو حیات ابدی کا مقدم اور ضروری اصول ہے حاصل کرتا ہے۔ دیکھو ططس ۲: ۱۴ "جس نے اپنے آپ کو ہمارے واسطے دے دِیا تا کہ فِدیہ ہو کر ہمیں ہر طرح کی بے دینی سے چھڑالے اور پاک کر کے اپنی خاص ملکیت کے لئے ایک اَیسی اُمّت بنائے جو نیک کاموں میں سرگرم ہو"۔ پھر بائبل انسان میں نیک کاموں کی نا قابلیت اور عدم رغبت اور لاعلمی (اصلی نیک کاموں سے) انسان کے سامنے رکھتی اور فرماتی ہے کہ نیک کاموں سے نجات نہیں۔ اس نے ہم کو راستبازی کے کاموں سے نہیں جو ہم نے کئے بلکہ اپنی رحمت کے سبب نئے جنم اور غسل اور اس روح قدس کے سر نو بنانے کے سبب بچایا (ططس ۳: ۵ اور رومیوں باب ۳ دیکھنا چاہیئے)۔ پھر اگر فضل سے ہے تو اعمال سے نہیں، نہیں تو فضل فضل نہ رہے گا اور اگر اعمال سے ہے تو فضل پھر کچھ نہیں، نہیں تو عمل عمل نہ رہے گا (رومیوں ۱۱: ۶)۔ "تو بھی یہ جانکر کہ آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صِرف یسوع مسیح پر اِیمان لانے سے راستباز ٹھہر تا ہے خُود بھی مسیح یِسُوع پر اِیمان لائے تا کہ ہم مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہریں نہ کہ شریعت کے اعمال سے۔ کیونکہ شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہرے گا" (گلتیوں ۲: ۱۶)۔ پس جس حال کہ بائبل مقدس میں کامل طریق نجات کے موضوع ہیں تو کسی ناقص طریق کی کیا ضرورت ہے۔

نجات روحانی جنگ کرنے سے ہے	نجات جنگ کرنے اور حج کرنے سے ہے
"کیونکہ ہم اگرچہ جسم میں زِندگی گذارتے ہیں مگر جسم کے طَور پر لڑتے نہیں۔ اس لئے کہ ہماری لڑائی کے ہتھیار جسمانی نہیں بلکہ خُدا کے نزدِیک قلعوں کو ڈھا دینے کے قابِل ہیں" (۲۔ کرنتھیوں ۱۰: ۳، ۴)۔ "غرض خُداوند میں اور اُس کی قدرت کے زور میں مضبوط بنو۔ خُدا کے سب ہتھیار باندھ لو تا کہ تُم ابلیس کے منصُوبوں کے مقابلہ میں قائم رہ سکو۔ کیونکہ ہمیں خُون اور گوشت سے کُشتی نہیں کرنا ہے بلکہ حکُومت والوں اور اِختیار والوں اور اِس دُنیا کی تارِیکی کے حاکموں اور شرارت کی اُن رُوحانی فَوجوں سے جو آسمانی مقاموں میں ہیں۔ اِس واسطے تُم خُدا کے سب ہتھیار باندھ لو تا کہ بُرے دِن میں مُقابلہ کر سکو اور سب کاموں کو انجام دیکر قائِم رہ سکو۔ پس سچّائی سے اپنی کمر کس کر اور راستبازی کا بکتر لگا کر۔ اور	"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی مہر کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" (سورہ بقر رکوع ۲۷ آیت ۲۱۷)۔ اس کے موافق دیکھو سورہ عمران رکوع ۱۹ آیت ۱۹۶۔

پاؤں میں صُلح کی خُوشخبری کی تیاری کے جُوتے پہن کر۔ اور اُن سب کے ساتھ اِیمان کی سِپر لگا کر قائم رہو۔ جس سے تُم اُس شریر کے سب جلتے ہُوئے تیروں کو بجھا سکو۔ اور نجات کا خود اور رُوح کی تلوار جو خُدا کا کلام ہے لے لو۔ اور ہر وقت اور ہر طرح سے رُوح میں دُعا اور مِنّت کرتے رہو اور اِسی غرض سے جاگتے رہو کہ سب مُقدّسوں کے واسطے بلاناغہ دُعا کیا کرو" (افسیوں۶: ۱۰-۱۸)۔	

معزز ناظرین بائبل کی اس بے نظیر تعلیم کے مقابل میں قرآن کی کچھ آب و تاب ہے۔ ذرا سوچو کون سا طریق خدا کے مناسب اور انسان کے شامل حال ہے اور کس طریق سے حیات ابدی کے لیے عمدہ اور پاکیزہ تیاری ہو سکتی ہے، بائبل ہی کے طریق الحیات سے۔ اس لئے قرآن ازروئے طریق الحیات بھی فضول ٹھہرتا ہے۔

کفارہ۔ یہ مسئلہ نہایت ہی غور طلب ہے اس لیے کہ اسی پر مسیحیت کی بنا ہے۔ اس کو خارج کرنے سے مسیحیت کو فقط بلحاظ اعلیٰ تعلیم اخلاق کے غیر مذاہب سے افضل کہہ سکیں گے، مگر اس کی حقیقی فضیلت اسی طریق نجات میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بائبل مقدس اخلاق میں اپنا نظیر نہیں رکھتی، مگر اس طریق نجات یعنی کفارۂ شافی کا اظہار اس کی بے نظیری کی شان کا مقدم جزو ہے۔

جب دنیا کے دینی حالات معلوم کرتے ہیں تو کسی قوم کو کسی نہ کسی طریق کفارہ سے بے خبر نہیں پاتے۔ کفارہ کی یہ عمومیت دو باتوں میں سے ایک نہ ایک کو شامل کرتی ہے یعنی یا تو ہر قوم کی عقل و تمیز میں قربانی مغفرت کا وسیلہ نظر آیا اور اس لئے باوجود اختلاف غیر باتوں کے اقسام رسوم قربانی نے رواج پایا اور یا تو روایتاً یہ رسم زمانہ آدم سے نوح تک اور نوح سے جس کے زمانہ کی مردم شماری ہر ایک کو معلوم ہے ان قوموں میں پھیلی جو اس کے بیٹوں اور پوتوں وغیرہ سے پیدا ہو کر بڑھتے بڑھتے قومیں بن گئیں اور زمین کی حدوں کو آباد کیا۔ بالفعل ہم اس بات پر بحث ملتوی کرتے ہیں کہ ان باتوں میں سے کون سی خیالی اور کونسی واقعی ہیں اور اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں کہ نوح کے زمانہ تک اور بعد میں بھی یہ رسم ہابیل (ہابل) سے جاری ہو کر چلی آئی اور اس کے جاری کرنے کا خیال ہابیل کے دل میں پیدا ہوا یا خدا نے قربانی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہر دو حالت میں ظاہر ہے کہ خدا نے اسے منظور کیا اور اس رسم کی ترویج کے لئے اس زمانہ کے بزرگوں کو یہی سند کافی تھی۔ قطع نظر اس کے اگر پولس رسول کی شہادت کا خیال کریں تو اس رسم کا خدا کی طرف سے ہونا یعنی اس کے حکم سے مقرر کیا جانا مصدق ٹھہرتا ہے اور وہ یہ ہے "ایمان ہی سے ہابل نے قائن سے افضل قُربانی خُدا کے لئے گُذرانی اور اُسی کے سبب سے اُس کے راستباز ہونے کی گواہی دی گئی کیونکہ خُدا نے اُس کی نذروں کی بابت گواہی دی۔۔۔" (عبرانیوں ۱۱: ۴)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی خدا کی طرف سے ہے اور اسے راضی کرنے کو مقرر ہوئی۔ چونکہ اس سلسلہ میں ہماری گفتگو سوائے قرآن کے اور مذہب والوں سے نہیں لہٰذا معلوم کریں کہ وہ اس امر میں کیا کہتا ہے۔

کفارۂ بائبل	کفارۂ قرآن
”کیونکہ جسم کی جان خُون میں ہے اور مَیں نے مذبح پر تمہاری جانوں کے کفّارہ کے لئے اُسے تم کو دِیا ہے کہ اُس سے تمہاری جانوں کے لئے کفّارہ ہو کیونکہ جان رکھنے ہی کے سبب سے خُون کفّارہ دیتا ہے“(احبار۱۷:۱۱)۔” جب یہ چِیزیں اِس طرح بن چُ ِکیں تو پہلے خَیمہ میں تو کاہن ہر وقت داخِل ہوتے اور عِبادت کا کام انجام دیتے ہیں۔ مگر دُوسرے میں صِرف سردار کاہِن ہی سال بھر میں ایک بار جاتا ہے اور بغَیر خُون کے نہیں جاتا جِسے اپنے واسطے اور اُمّت کی بھُول چُوک کے واسطے گذرانتا ہے۔اِس سے رُوحُ القُدس کا یہ اِشارہ ہے کہ جب تک پہلا خیمہ کھڑا ہے پاک مکان کی راہ ظاہِر نہیں ہُوئی۔ وہ خیمہ مَوجُودہ زمانہ کے لئے ایک مثال ہے اور اِس کے مُطابِق اَیسی نذریں اور قُربانیاں گذرانی جاتی تھیں جو عِبادت کرنے والے کو دِل کے اِعتبار سے کامِل نہیں کر سکتیں۔اِس لئے کہ وہ صِرف کھانے پینے اور طرح طرح کے غُسلوں کی بنا پر جِسمانی احکام ہیں جو اصلاح کے وقت تک مُقرر کئے گئے ہیں۔ لیکن جب مسیح آیندہ کی اچّھی چِیزوں کا سردار کاہِن ہو کر آیا تو اُس بُزرگ تر اور کامِل تر خیمہ کی راہ سے جو ہاتھوں کا بنا ہُوا یعنی اِس دُنیا کا نہیں۔ اور بکروں اور بچھڑوں کا خُون لے کر نہیں بلکہ اپنا ہی خُون لے کر پاک مکان میں ایک ہی بار داخِل ہو گیا اور ابدی خلاصی کرائی۔ کیو نکہ جب بکروں اور بیلوں کے خُون اور گائے کی راکھ ناپاکوں پر چھِڑکے جانے سے ظاہِری پاکیزگی حاصِل ہوتی ہے۔ تو مسیح کا خُون جِس نے اپنے آپ کو ازلی رُوح کے وسیلہ سے خُدا کے سامنے بے عَیب قُربان کر دِیا تمہارے دِلوں کو مُردہ کاموں سے کیوں نہ پاک کرے گا تاکہ زِندہ خُدا کی عِبادت کریں۔ اور اِسی سبب سے وہ نئے عہد کا درمیانی ہے تاکہ اُس مَوت کے وسیلہ سے جو پہلے عہد کے وقت کے قصُوروں کی مُعافی کے لئے ہُوئی ہے بلائے ہُوئے لوگ وعدہ کے مُطابِق ابدی مِیراث کو حاصِل کریں“ (عبرانیوں ۹: ۶۔۱۵) ۔”اُسی طرح مسیح بھی ایک بار بُہت لوگوں کے گُناہ اُٹھانے کے لئے قُربان ہو کر	(سورہ حج رکوع ۵ آیت ٦)”اور ہر فرقہ کو ہم نے ٹھہرادی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کو چوپایوں کے ذبح پر جو ان کو ہو۔ سو اللہ تمہار ایک ہے سو اسی کے حکم پر رہو“۔ پھر آپ نے بھی مطابق اور بت پرست عربوں کے اونٹ کی قربانی دینے کا حکم دیا۔ اس جانور کی قربانی توریت کتاب احبار باب ۱۱ آیت ۴ میں منع ہے ”مگر جو جُگالی کرتے ہیں یا جِن کے پاؤں الگ ہیں اُن میں سے تم اِن جانوروں کو نہ کھانا یعنی اُونٹ کو کیونکہ وہ جُگالی کرتا ہے پر اُس کے پاؤں الگ نہیں۔ سو وہ تُمہارے لئے ناپاک ہے“۔ یاد رہے کہ توریت سے مخالفت اس وقت شروع ہوئی جب محمد صاحب ان کی طرف سے مایوس ہوئے اور آخر ان سے لڑائی شروع کی اور بت پرستوں کی رسموں کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ حج کے متعلق قریباً کل رسوم انہیں سے سیکھیں اور پھر انہیں کو سکھائیں زمانہ سازی اسی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ حج کے رکوع مذکورہ کی آیت ۳۸ میں یوں ہے ”اور کعبے کو چڑھانے کے اونٹ ٹھہراتے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے نام کی۔ تمہارا اس میں بھلا ہے سو پڑھو ان پر نام اللہ کا، الخ“۔ اونٹ کی قربانی کا ذکر ہم نے اس لئے کیا کہ قرآن اپنے تیئں توریت کا مصدق بتاتا ہے مگر ساتھ ہی بت پرستوں کی تصدیق بھی (خلاف توریت) کرتا ہے۔ لازم تھا کہ یہ ملونی وقوع میں نہ آتی اور توریت کی واجبی تصدیق کرتا۔ لہٰذا ایسے مصدق کی ہر گز ضرورت نہ تھی۔ اگر بائبل کے مدعا کو جو قربانیوں سے مد نظر تھا سمجھتے تو کسی قربانی کا حکم نہ دیتے اور وہ مدعا ساتھ ہی کے کالم میں مسطور ہے۔ ایسے ناسمجھ پیغمبر بھی نہ چاہیئے۔ ایسوں سے سوائے اختلاف کے اور کا ہکی امید ہے۔ جب انسان کی نیت صاف ہوتی ہے تو صداقت کو ضرور پا جاتا ہے۔

دُوسری بار بغیر گُناہ کے نجات کے لئے اُن کو دِکھائی دے گا جو اُس کی راہ دیکھتے ہیں۔(آیت ۲۸)۔	

اس کے ساتھ جناب مسیح کے اقوال کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جو اس نے اس امر میں فرمائے یعنی "۔۔۔ضرور ہے کہ جِتنی باتیں مُوسیٰ کی توریت اور نبیوں کے صحیفوں اور زبُور میں میری بابت لکھی ہیں پُوری ہوں"(لوقا۲۴: ۴۴)۔" چنانچہ اِبنِ آدم اِس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اِس لئے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فِدیہ میں دے"(متی ۲۰: ۲۸)۔پس توریت ،زبور اور انبیا کے صحیفوں اور انجیل میں یگانگی کا بندھن مسیح ہے۔سب قربانیوں کا اشارہ اسی قربانی کی طرف تھا اور اس لئے وہ حیات کا کامل اور شافی وسیلہ ہے۔بہتیرے اہل یہود میں سے کتب انبیائے سابقین و انجیل کی یگانگی کے اس بندھن سے ناواقف اور بے پرواہ کر منحرف ہوئے اور جہاں کہیں ان کا خمیر پہنچا(خصوصاً عرب میں)ان کو بھی اسی حالت میں رکھا،جیسا ذیل کی باتوں سے مصرح ہے۔

جائے تعجب ہے کہ محمد صاحب نے چوپایوں کی قربانی کا ذکر کیا اور اس قربانی اعظم کی نسبت خاموش رہے۔قرآن کے مطالعہ سے ہمیں معلوم پڑتا ہے کہ حضرت توریت کی بہ نسبت انجیل کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔یہودیوں سے ہمکلام ہونا اور مضامیں توریت کے حوالے دینے اور رسومات یہود کو اختیار کرنا ہمارے قول کے مصدق ہیں۔یہ ایک واقعی امر ہے کہ قرآن کے قریباً کل تقررات یہود کے مسائل الہیات کے گودے پر گویا پوست کی نسبت رکھتے ہیں۔مگر ایسی کوئی تعلیم نہیں جس کو میسحیت کا بھی لاگ (تعلق۔سہارا) لگا ہو اور وہ باتیں جو مسیح کے تولد ہونے اور بدون مصلوب ہوئے عروج کرنے کے متعلق ہیں،ان کی خبر غلط ذریعوں سے پا کر لکھی ہے۔اس قسم کی باتوں کا ذکر اس سلسلہ کے کسی آیندہ حصہ میں کریں گے۔پس اس امر سے ظاہر ہے کہ در حقیقت مسیحیت سے محمد صاحب ناواقف تھے۔کیونکہ اگر واقف ہوتے تو کفارہ مسیح کی بابت عیسویت کا مقدم اصول ایمانیہ تھا اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھتے اور توریت،زبور،انبیا اور انجیل کے مقصد مقدم سے محروم ہو کر اغلب ہے کہ کسی مسیحی جماعت کے بشپ ہوتے۔یہی سبب ہے کہ طریق الحیات کی کاملیت کے اظہار سابقہ سے کماحقہ واقف نہ کریوں اور ووں حکم دیئے۔ناظرین انصاف کریں کہ اس حال میں ایسے ناواقف پیشوا کے ناکامل طریق الحیات کی کیا ضرورت تھی۔مقلدین اسلام اس حالت میں کفارہ مسیح سے انحراف کریں،اگر محمد صاحب اس پر کچھ تحقیقی جرح و قدح کر گئے ہوں۔بر خلاف اس کے قربانیوں کے الہٰی تقرر کا اظہار کرتے ہیں۔پس مناسب ہے کہ اول طریق الحیات مندرجہٗ بائبل کو جانچیں کہ وہ ہمارے شامل حال ہے کہ نہیں اور پس ازآں قرآن کے پس خوردہ(بچا ہوا کھانا۔جھوٹا کھانا)طریقوں پر چل کر جان گنوائیں۔

آخر میں اس بات کا اظہار انسب ہے کہ خدا کی صفت رحمانی کا بائبل اور قرآن دونوں میں بہت ذکر ہے اور اس سبب بعض لوگوں نے سمجھ چھوڑا ہے کہ نجات خواہ نخواہ بھی فضل سے ہو جائے گی۔مگر یہ خیال تقاضائے بائبل اور قرآن کے خلاف ہے۔چنانچہ ہم نے ناظرین پر واضح کر دیا ہے کہ باوجود فضل کے دونوں کتابوں میں نجات امور مذکور شدہ پر منحصر ہے۔اس لئے اہل اسلام کفارہ کی مخالفت کرنے میں قرآن کے خلاف چلا کرتے ہیں۔

فضل توبہ وغیرہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ اس حالت میں توبہ وغیرہ کے بغیر بدی میں خواہ کیسے ہی سر گرم رہے ہوں بخشش ہو سکے گی۔ لیکن جب امور متعلقہ نجات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں خدا کی اور صفات کا بھی دخل ہے یعنی پاکیزگی اور عدل کا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر خدا محض فضل ہی فضل ہوتا حتیٰ کہ ہر دو صفات مذکورہ خارج ہوتیں تو نجات اسی ڈھب پر ہوتی جو ڈھب بعضوں کے ذہنوں میں منقش ہو رہا ہے۔ مگر جب پاکیزگی اور عدل کا بھی دخل دیکھتے ہیں تو کم سے کم یہ باتیں تو انسان کی مایوسی کا موجب ٹھہرتی ہیں۔ اول، گناہ کی سزا ضرور ملے گی، یہی عدل کا تقاضا ہے۔ خدا گناہ سے ناراض اور متنفر ہے اور اگر یہ ناراضی ٹل نہ جائے تو گناہ کی سزا لازمی ہے۔ دوم، خدا گناہ سے کیوں متنفر ہے ؟ اس لئے کہ وہ قدوس ہے۔ پس گناہ اور قدوسی میں مخالفت ذاتی ہے اور اس حال میں خدا اپنے قول اور فعل میں اس کا مانع ہو گا اور دشمن سا پیش آئے گا۔ ان باتوں کے مقابل میں جب انسان کی عدم طہارت اور احکام اخلاقیہ کی کامل پیروی کی ناقابلیت دیکھتے ہیں تو وہ تمام طریق نجات جو مذکور ہوئے عبث معلوم ہوتے ہیں اور آخر فضل ! فضل ! پکارتے ہیں۔ مگر ہم نے بیان کیا کہ اس فضل کے ہم نشین اَور صفتیں ہیں جو انسان سے طہارت کل یا سزا کل طلب کرتی ہیں اور یہ باتیں بغیر کفارہ خدائے مجسم کے قابل تحصیل نہیں۔ اس لئے طریق الحیات مندرجہ بائبل حیات ابدی کے تحصیل کا کامل طریقہ ہے۔ لہٰذا قرآن کی عدم ضرورت امر مسلم ہے۔ اے گنہگارو خوش ہو، مانو اور بچو۔

فصل چہارم

عدم ضرورت قرآن

ازروئے بیان واقعات جو کبھی وقوع میں نہیں آئے

(دفعہ ۱)سورۂبقر رکوع۸ آیت ۶۲ میں مرقوم ہے کہ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ "اور جب ہم نے تم سے عہد (کر) لیااور کوہِ طُور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا(اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے، اس کو زور سے پکڑے رہو، اور جو اس میں (لکھا) ہے، اسے یاد رکھو، تاکہ (عذاب سے) محفوظ رہو "انتہیٰ۔ اس کے موافق دیکھو سورہ اعراف رکوع ۲۱ آیت ۱۷۲وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ"اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرتا ہے تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو۔ اور جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو تاکہ بچ جاؤ"۔ کیا یہ کوئی واقعی حقیقت ہے؟ محمدیوں کی بے سروپاروایتوں کے سوائے کون مورخ پہاڑ کے اس طور پر اونچا کیا جانے کا مصدق ہے؟ کیا موسیٰ؟ مگر موسیٰ کا بیان یہ ہے" اور کوہِ سینا اُوپر سے نیچے تک دُھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خُداوند شعلہ میں ہو کر اُس پر اُترا اور دُھواں تنور کے دُھوئیں کی طرح اُوپر اُٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا"(خروج۱۸:۱۹)۔ یہاں پہاڑ کے اونچا کیے جانے کا نشان تک نہیں ہے۔ پھر کیا یوسیفس؟ مگر اس مورخ نے موسیٰ ہی کے بیان کا تذکرہ کیا ہے اور قرآن کے رفع الطور کا ذکر ندارد ہے([1]دیکھو انٹی کوئی ٹی کتاب ۳باب ۵ دفعہ ۲)۔ پس قول قرآنی کو کس کے اعتبار پر سچ مانیں؟ جائے فکر ہے کہ سوائے موسیٰ کے کون اس واقع کا سچا راوی ہو سکتا تھا۔ کیا موسیٰ جو اس وقت نہ صرف موجود بلکہ جس پر وہ واردا تیں گزریں یا اس کے ہزاروں برس بعد کی ایک روایت۔ اور اگر انحصار ثقاہت فرسودہ وحی پر ہے تو افسوس! وحی موسوی اور وحی احمدی کا مبداءعلم جدا تھا۔ یاد رہے کہ کسی تعلیم کی نسبت خدا زمانہ سازی اختیار کرے تو عجب نہیں! مگر کسی واقعی امر کی نسبت اختلاف نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ مذکور قرآنی ان واقعات میں گردانا جاتا ہے جو کبھی وقوع میں نہ آئے۔ ارے لوگو بیدار ہو، یہ کیا باتیں ہیں۔

(دفعہ ۲)سورہ بقرہ۸ رکوع آیت ۶۴ میں یوں مسطور ہے وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ " اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہوں، جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے،

[1] Antiquities of the Jews — Book III

توہم نے ان سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر ہو جاؤ"۔ اس واردات کی مفصل کیفیت سورہ اعراف رکوع ۲۱ میں موجود ہے۔ محمدی مفسر اس واردات کا وقوع داؤد کے عہد میں بتاتے ہیں اور وہ بستی جس کا پتا سورہ اعراف میں پوچھا گیا ہے، سیل صاحب اس کا نام اَیلَتہ بتاتے ہیں جو بحر قلزم پر واقع تھی۔ اگر اس کا یہی نام ونشان تھا تو معلوم ہوا ہے کہ داؤد کے عہد میں اس بستی کی نسبت صرف اسی قدر مرقوم ہے کہ "اس نے یعنی داؤد نے ادوم میں چوکیاں مقرر کیں۔ بلکہ سارے ادوم میں چوکیاں بٹھائیں۔ اور سارے ادومی بھی داؤد کے خادم ہوئے"(ا۔سموئیل ۸:۱۴) اور معلوم ہو کہ یہ بستی اَیلَتہ ادوم میں تھی جیسا ا۔سلاطین ۹:۲۶ میں مرقوم ہے۔ ان دو مقاموں کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد کا اَیلَتہ پر قبضہ تھا۔ ان قدیم الہامی تواریخوں میں اَیلَتہ کا حال جو داؤد کے عہد میں گزرا اسی قدر مرقوم ہے۔ مگر وہاں کے لوگوں کا بندر بن جانا کسی تواریخ سے مصدق نہیں ہے یا یوں کہیں کہ ہمیں کوئی ایسی تواریخ قابل اعتبار معلوم نہیں جو اس قصہ کی تائید کرے اور اس کا واقعی امر ہونا قائم کرے۔ پس یہ ذکر بھی اس کا واقع کا ٹھہرا جو کبھی وقوع میں نہ آیا۔

(دفعہ ۳) کعبہ ابراہیم نے بنایا جیسا سورہ بقر رکوع ۱۵ آیت ۱۲۷ میں لکھا ہے وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کررہے تھے (تودعا کئے جاتے تھے کہ) اے پروردگار، ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے" انتہیٰ۔ پھر کعبہ عبادت کا پہلا گھر ٹھہرا تھا۔ سورہ عمران رکوع ۱۰ آیت ۹۹ "تحقیق پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور نیک راہ لوگوں کو جہان کے"۔

کیا یہ باتیں قابل تسلیم ہیں؟ کیا ابراہیم کبھی مکہ میں گیا اور کعبہ تعمیر کیا؟ اور کیا رسومات مکیہ ابراہیم سے نسبت رکھتی ہیں؟ اس قدیم اور مستند تواریخ یعنی توریت میں ابراہیم کے سفر وسکون کا احوال حسب ذیل میں درج ہے۔ اس حال میں ابراہیم کا احوال اس زمانہ سے معلوم کرنا مناسب ہے جب وہ اپنے گروہ سے علیٰحدہ ہوا اور کدھر کدھر گیا اور کیا کام کیے۔ پس واضح ہو کہ جب ابراہیم اپنا وطن چھوڑ کر کنعان میں وارد ہوا تو سکم کی بستی اور مورہ کے بلوط تک گزرا اور وہاں اس نے خداوند کے لئے قربان گاہ بنائی (پیدائش ۱۲:۶،۷)۔ یہ پہلا گھر یا مقام عبادت کا تھا جو ابراہیم نے تعمیر کیا۔ بعد اس جگہ سے روانہ ہو کر اس نے بیت ایل کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرا کھڑا کیا۔ اس جا بھی ابراہیم خداوند کے لیے ایک قربان گاہ بنائی۔ یہ دوسری عبادت گاہ تھی۔ اس لئے کعبہ پہلا گھر عبادت کا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہنوز وہ کنعان ہی میں تھا اور اسمٰعیل بھی پیدا نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد ابراہیم رفتہ رفتہ دکھن کی طرف گیا جب کنعان میں کال پڑا (پیدائش ۱۲:۱۰) تو اسے مصر میں جانا پڑا اور نہیں معلوم کتنا عرصہ وہ اس ملک میں رہا، مگر جب لوٹا تو سفر کرتا ہوا دکھن سے پھر بیت ایل میں گیا جہاں آگے اس کا ڈیرا تھا یعنی بیت ایل اور عی کے درمیان (۱۳:۱۔۴)۔ یہاں سے بھی ظاہر ہے کہ مکہ کی طرف نہیں گیا۔ بعدہٗ لوط سے جدا ہو کر اس نے ممرے یا حبرون میں ڈیرا کیا۔ اس کے بعد لوط کو اس کے دشمنوں سے لڑ کے چھڑایا اور ملک صدق سے ملاقات کی اور خداوند نے اس سے عہد کیا (پیدائش باب ۵)۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس کے بعد ابراہیم پر وہ گذرا جو پیدائش باب ۱۵،۱۶،۱۷ میں مرقوم ہے۔ ان ایام میں اسمٰعیل پیدا ہوا۔ یہ سب باتیں کنعان ہی میں یعنی ممرے کے بلوطوں میں اس پر واقع ہوئیں۔ پھر بیسویں باب میں اس کے فلسطیہ میں جانے کا ذکر

ہے۔ابراہیم کے آخری دنوں میں اس کی آزمائش ہوئی۔ یہ بھی کنعان میں زمیں موریاہ میں واقع ہوا(پیدائش ۲۲: ۱۔۳)۔اس کے بعد بھی ابراہیم کنعان میں تھا۔اس کی جورو اور وہ خود کنعان ہی میں مر گئے اور مکفیلہ کے غار میں جو ممرے کے سامنے ہی دفن کیے گئے ۔پس اس قدیم الہامی تواریخ سے ظاہر ہے کہ ابراہیم کبھی مکہ میں نہ گیا اور نہ کعبہ بنایا۔یہ کچھ بات نہیں ہے کہ کتاب پیدائش میں اہل پیشین کا بہت تھوڑا حال مرقوم ہے۔ہم بھی جاننا چاہتے ہیں کہ وہ باقی اور مفصل احوال کس کو معلوم تھا یاہے۔یہ روایت البتہ محمد صاحب کے پیشتر سے ہے کہ ابراہیم اور اسمٰعیل نے کعبہ بنایا اور سنگ اسود اس میں رکھا۔مگر اسمٰعیلیوں کی بت پرستی بھی قدامت کے پایہ پر ہے۔ خصوصاً جب وہ پتھریلی پرستش کے زیر بار ہو گئے تو اغلب ہے کہ ایسی روایت ایجاد کرلی جس سے کعبہ کی تعظیم ہو اور سنگ اسود کی پرستش توقیر پائے۔ قطع نظر اس سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ ابراہیم جس نے ایک زندہ خدا کا مشاہدہ پایا ایسی مکروبت پرستی کی بنا رکھتا۔کُجا کعبہ اور سنگ اسود اور کُجا یہ مشاہدہ کہ "میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو"(پیدائش۱:۱۷) ۔یہی ایمان اضحاق کا ہوا(پیدائش ۳:۲۸) اور یہی یعقوب ابراہیم کے پوتے کا(پیدائش ۱۱:۳۵)۔پھر ابراہیم خود خدائے قادر کو ایک اور عمدہ صفت سے بیان کرتا ہے(پیدائش۲۵:۱۸)اور خدا کا ابراہیم کو بت پرستوں میں سے بلانا،اپنے تئیں اس پر ظاہر کرنا،اس سے وعدے کرنا، اطاعت کا عہد کروانا اور عہد کا نشان مقرر کرنا وغیرہ سب اس کے مکہ میں جا کر کعبہ تعمیر کرنے اور سنگ اسود کی تعظیم کرنے کے مانع ہے۔یہ کبھی نہیں ہوا۔یوسیفس مورخ اس کی بابت خاموش ہے۔پس محمد صاحب نے اپنے آباؤں کی غلط روایت کی غلطی کو نہ جان کر اور کتب الہامیہ سابقہ کے صحیح بیان سے بے خبر رہ کر اس کو قرآن میں درج کر دیا۔اب ناظرین ہی کہیں کہ محمد صاحب نے اپنی صداقت کا خود ہی کام کر دیا کہ نہیں۔ایسی باتوں سے قرآن کی عدم ضرورت لاحق ٹھہرتی ہے۔

(دفعہ ۴) سورہ ہود رکوع ۴ آیت ۴۲، ۴۳، ۴۶ میں یوں مرقوم ہے"اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا کنارے۔اے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے اور بیچ میں آپڑی دونوں کے موج پھر ہو گیا وہ ڈوبنے والاوں میں" انتہیٰ۔اس پر نوح نے خداوند سے فریاد بھی کی مگر جواب یہ پایا کہ اس کے کام ناکارے ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ محمد صاحب اس واقع کو سچ جانتے تھے۔

اس کے برخلاف توریت کا بیان یہ ہے "تب نُوح اور اُس کے بیٹے اور اُس کی بیوی اور اُس کے بیٹوں کی بیویاں اُس کے ساتھ طوفان کے پانی سے بچنے کے لئے کشتی میں گئے" (پیدائش۷:۷)۔پھر ان کو نام بنام لکھا ہے" اُسی روز نُوح اور نُوح کے بیٹے سم اور حام اور یافت اور نُوح کی بیوی اور اُس کے بیٹوں کی تینوں بیویاں (کشتی میں داخل ہوئیں)" (۷: ۱۳)اور جب طوفان کا پانی خشک ہوا تو یہی جانیں کشتی سے صحیح سلامت نکلیں،جیسا لکھا ہے(دیکھو پیدائش۸: ۱۵، ۱۸)۔

یوسیفس کا بیان بھی اس کے موافق ہے ([1] دیکھو انٹی کوئی ٹی پہلی کتاب تیسرا باب)۔یہ مورخ غیر قوم مورخوں کو اپنے بیان کی صداقت کے لئے نام بنام سنداً پیش کرتا ہے۔پھر روایت قرآنی کی بہ نسبت زیادہ تر قدیم روایتیں احوال موسوی کی تصدیق کرتی ہیں۔چنانچہ

[1] Antiquities of the Jews — Book III

بروسس جس نے ملک کسدیہ کی تواریخ لکھی تھی نوح کے طوفان کا بیان کرتا ہے جو قریباً موسیٰ کی تحریر کے موافق ہے، صرف بعض باتوں میں اختلاف ہے۔ماسوائے اور باتوں کے وہ یہ لکھتا ہے کہ:

"زی ستھیرس (یا کسی ستھیرس) کے عہد میں ایک بڑا طوفان واقع ہوا۔ کر آناس نے اس کو خواب میں ظاہر ہو کے بتایا کہ ایک کشتی تیار کرے اور اپنے رشتے داروں اور رفیقوں سمیت اس میں داخل ہو۔ اس نے فرمان مان کر کشتی بنائی جس کا طول پانچ سٹے اور عرض دو سٹے دیہ تھا اور جب وہ بموجب ارشاد کے سب چیزیں اس میں جمع کر چکا تو وہ اپنی جورو اور بال بچوں اور رفیقوں سمیت کشتی میں داخل ہوا"۔(ہسٹاریکل ایویڈنس۔رالن سَسن)

اس کے بعد یہ مورخ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے صحیح سلامت نکل آنے کا ذکر کرتا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ قدیم میں طوفان کا آنا اور نوح اور اس کے ساتھیوں یعنی رشتے داروں اور رفیقوں کے بچ جانے کی روایت تھی۔ تعجب ہے کہ قرآن کا ساتھ کوئی مورخ نہیں دیتا۔ پس روایت قرآنی کا کیا اعتبار کریں۔ کون سی سند اس کی صداقت کی صفحہ عالم تواریخ پر موجود ہے یا کبھی موجود تھی۔

رہی تشریح سیل صاحب کی کہ محمدی مفسر مثل یحییٰ اور جلال الدین کے کنعان نامے نوح کا منکر بیٹا بتاتے ہیں جو ڈوب گیا تھا، مگر موسیٰ کہتا ہے کہ نوح کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سم،حام اور یافت تھے اور حام (نہ کہ نوح) کنعان کا باپ تھا۔نوح کے یہی تین بیٹے تھے اور انہیں سے تمام زمیں آباد ہوئی۔ پھر وہ جو کنعان کو نوح کا پوتا نیز منکر اور ڈوبنے والا بتاتے ہیں،وہ یہ جانیں کہ نوح کے بیٹے سم،حام اور یافت کا یہ نسب نامہ ہے اور طوفان کے بعد ان کو بیٹے پیدا ہوئے (پیدائش ۱۰:۱) نہ کہ پہلے۔ پس ظاہر ہے کہ نوح کا نہ کوئی بیٹا اور نہ کوئی پوتا ڈوبا تھا۔ یہ بات ہر گز وقوع میں نہ آئی تھی۔

مکرر ہم اس بات کا اظہار انسب سمجھتے ہیں کہ کل غیر قوم روای اور نیز محمد صاحب موسیٰ کے مقابل میں اس زمانۂ سلف کی حکایات کے بیان کرنے میں قاصر ہیں۔ کیونکہ (الہام کو ذرا بر کنار رکھ کر) ان کا مبداء علم سچی اور جھوٹی روایتوں پر انحصار رکھتا ہے۔حالانکہ موسیٰ کو ان واقعات کی جو کتاب پیدائش میں مرقوم ہیں اور خصوصاً طوفان اور اس کے بعد کی وارداتوں کے وقوع کی ہنوز تازہ خبر مل چکی تھی۔ چنانچہ سم یہاں تک زندہ رہا کہ نوح اور ابراہیم دونوں کا ہم عصر تھا اور طوفان کی چشم دیدہ حقیقتیں ابراہیم سے بیان کر سکتا تھا۔ پھر اضحاق ابراہیم اور یوسف کا ہم عصر تھا اور یوں ابراہیم والی خبر کو دوسرے سے تازہ ہی تازہ بیان کر سکتا تھا اور اسی طرح یوسف سے عمرام کو جو اس کا ہم عصر تھا وہی تازہ خبریں پہنچیں اور عمرام سے موسیٰ کو۔اس سے معلوم کرو کہ جس قدر ان واقعات کے نزدیک موسیٰ تھا اور جیسی صورتیں تواریخی معلومات کی وہ رکھتا ہے کسی اور مورخ کو جو بعد اس کے ہوا حاصل نہ تھیں، پھر کجا محمد صاحب۔

علاوہ ازیں اگر ان قدیم روایتوں کو تحریری روایتیں تسلیم کریں، جیسا اکثر بڑے بڑے محققوں نے مشتہر کیا ہے تو موسیٰ کی روایت اور بھی قوی اور معتبر ٹھہرتی ہے اور یاد رہے کہ بعض علمانے کتاب پیدائش کے پہلے چھ یا سات ابواب آدم، سیت، نوح اور سم کی تصنیف قائم کیے ہیں

اور ہم نے اپنی سمجھ میں اس قول پر کوئی معقول اعتراض نہیں دیکھا۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو موسیٰ کی روایت اور بھی قوی ٹھہرتی ہے چونکہ اس کا انحصار چشم دید گواہوں کی تحریری شہادت پر ہے۔ ہاں اس کو موسیٰ کی نہیں بلکہ انہیں بزرگوں کی روایت کہیں گے جو فیض رحمانی سے خالی نہ تھے۔ قطع نظر امور ہٰذا کے موسیٰ کا الہامی راوی ہونا مسلم الثبوت ہے۔ اس میں محمد صاحب کو بھی کلام نہ تھا یعنی اس کی زبان سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پس ایسے بیانات سے قرآن کی ضرورت کہاں رہی، کبھی ہوئی ہی نہیں۔

(دفعہ ۵) سورہ بقر رکوع ۳۵ آیت ۲۵۹ میں ایک شخص کا ذکر جو سو برس کا مردہ ہو کر زندہ ہوا۔ چنانچہ لکھا ہے أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ "یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاق گزر ہوا۔ تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ تو خدا نے اس کی روح قبض کرلی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق) سڑی بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے) کی ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑے دیتے اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے"۔ مسلم مفسر اس شخص کا نام عزرا بتاتے ہیں۔ بہر صورت یہ بات خلاف واقع ہے کیونکہ جن ایام میں یروشلیم برباد پڑا تھا نحمیاہ گدھے پر سوار ہو کر رات کے وقت شہر کو دیکھنے گیا، جیسا نحمیاہ کی کتاب باب ۲ آیت ۱۲۔۱۸ میں مرقوم ہے۔ مگر اس کی موت اور سو برس کے بعد زندہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ یوسفس مورخ بھی اس قصہ کا ذکر نہیں کرتا۔ اغلب ہے کہ اس جعلی قصہ کی وضع نحمیاہ کی اس سرگزشت سے ہوئی، جعلی اس لئے کہ اگر وقوع میں آیا ہوتا تو ادنیٰ بات نہ تھی، مقدس راوی اس سے مطلع کرتے۔ ہاں اس لئے کہ جن پر یہ کیفیت گزری انہیں تو خبر ہی نہیں اور خبر دینے والا ایک ہزار برس سے بھی زیادہ بعد اس واقعہ کے ہوا۔ پس ایسے امور جو وقوع میں نہ آئے ہوں کسی کے دل میں ڈالنا سچی وحی کا کام نہیں ہے۔

(دفعہ ٦) سورہ احقاف رکوع ۱ آیت ۹ میں ہے قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ "کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر) خدا کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اسی طرح کی ایک (کتاب) کی گواہی دے چکا اور ایمان لے آیا اور تم نے سرکشی کی۔ بے شک

خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"(اس کے موافق دیکھو سورہ شعرا رکوع ۱۱ آیت ۱۹۲۔۱۹۷)۔ سورہ احقاف والی آیت سے بعض مفسر موسیٰ کی طرف اشارہ بتاتے ہیں، خواہ ان کا کہنا خیالی ہی ہو کیونکہ متن قرآنی میں کسی کا نام نہیں ہے اور سورۂ شعرا میں صاف اگلی کتابوں کی طرف اشارہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمد نے کسی ہم پلہ یہودی کے کہے پر لکھا یا ورنہ اگلی کتابوں میں قرآن کی گواہی ندارد ہے۔ ناواقف انسان کی کارروائی اسی طرح ہوا کرتی ہے۔ وحی کے کیا اختیار ہے اور ماہرین تو ایسی غلطیاں نہیں کیا کرتے۔

قرآن کے مطالعہ سے ہمیں ایک یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ صاف حوالہ کسی خاص کتاب کا نہیں دیتے تھے اور مجمل اور مہمل طرز رکھی ہے۔ یہ طرز خالی از مطلب نہ تھی اور ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرفت سے بچے رہیں۔ اس کا ہم پھر ذکر کریں گے۔

(دفعہ ۷) سورہ نمل رکوع ۲ آیت ۱۷ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ" اور جمع کیے سلیمان کے پاس اس کے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور پھر ان کی مثلیں بیٹھیں"۔ سورہ صٓ رکوع ۳ آیت ۳۴۔۳۷ میں سوائے اس بیان کے یہ بھی ہے کہ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ" پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی اَور دیووں کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے"۔

سیل صاحب (مترجم قرآن انگریزی) لکھتے ہیں کہ اس وہم کے لیے محمد طالمود والوں کا دین دار ہے جو سلیمان کی ان باتوں کا اپنی طرز پر بیان کرتے ہیں جو کتاب واعظ ۲:۸ میں مسطور ہیں یعنی "میں نے گانے والے اور گانے والیاں رکھیں"۔ اسی پر ان کا یہ وہم ہے کہ جِنّ اس کی کارگزاری کرتے تھے۔ خصوصاً وہ عالی شان عمارتیں جنہیں وہ نہیں بنوا سکتا تھا، وہ جنات نے بنائیں اور اس لئے جن اس کے تابع تھے اور ان سے ایسا کام کرواتا تھا[1]۔ تعجب ہے کہ سلیمان اور سب باتوں کا اظہار کرتا ہے اور بخشش کا ذکر ہاں اس ملکیت نہانی (پوشیدہ) کا پتا نہیں دیتا اور نہ کسی اور کتاب عہد عتیق میں اور نہ یوسیفس میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اِلّا طالمود والے ایک امر نامنظور کو خود ہی پا گئے اور محمد صاحب نے بھی ان کے وہم کو وحی کے ذمے لگانے میں ذرا توقف نہ کیا۔ غیر قوم مورخ، مثل نباندڑرNBANDER's اور یوپولیمس وغیرہ نے سلیمان کی دولت، سلطنت اور حکمت کی بابت لکھا ہے اور ان کے بیان عہد عتیق سے جابجا موافقت رکھتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے اور افسوس بھی ہے کہ قرآن کا حامی نظر نہیں آتا۔ غرض کہ قرآن کا یہ مضمون بھی ایک قصہ ہے جس کے بانی محدث طالمود ہیں، مگر کبھی وقوع میں نہیں آیا۔ اگر کبھی آیا تو یہود کے وہم میں

---

[1] اس کے موافق ڈاکٹر بارکلی صاحب کے انتخاب طالمود دیباچہ صفحہ ۲۷ میں بھی بیان ہوا ہے یعنی سلیمان نے یہویدا کے بیٹے بنایاہ کو بھیجا کہ شیاطین کے بادشاہ اشمیدی کو باندھ لائے۔ شیطان کو شراب سے دھوکا دے کر اس نے اس سے شمر (چھوٹے کیڑے)۔ ظاہر کروالیا جو سب سے سخت پتھر کو دو نیم کر سکتا تھا اور اس کیڑے کی مدد سے سلیمان نے ہیکل بنائی۔ بعدہٗ شیطان نے سلیمان سے اس کی مُہر مانگی اور جب اس نے اسے دی تو شیطان نے ایک بازو آسمان کی طرف پھیلایا اور دوسرا زمین کی طرف اور سلیمان کو چار سو میل پر پھینک دیا اور سلیمان کی شکل بن کے اس کے تخت پر بیٹھ گیا اور جب سلیمان نے اس سے پھر لے لیا تو یہ کہا کہ "انسان کو اس کی ساری محنت سے جو وہ سورج کے نیچے کھینچتا ہے کیا حاصل ہوتا ہے" (کتاب واعظ ۱:۳)۔

آیا اور بس۔ پس اگر قرآن کی ضرورت ہوتی بھی تو بلحاظ سچے بیانوں کے ہوتی، نہ کہ غلط باتوں کی روسے اور اس حال میں تو عدم ضرورت لاحق ہے۔ خدا کرے کہ محمدی ناظرین تحقیق صدیق کی روسے قرآن کو ترک کریں اور بائبل آسمانی، ربانی اور الہامی کو قبول کریں اور دھوکا نہ کھائیں۔

فصل پنجم

عدم ضرورت قرآن

ازروئے بیان واقعات جو مخلوط بالا غلاط ہیں

ہم نہایت افسوس سے کہتے ہیں کہ قرآن کا مقابلہ بائبل کے ساتھ قائم نہ رہ سکا، لیکن مقابلہ میں وہ کتب بھی پیش کرنی پڑیں جو اپنے زمانہ کلاہور سے جعلی، غلط قصے اور روایتیں قرار دی گئی ہیں۔ اس موقع پر ہم محمدی برادران کو سمجھاتے ہیں اور مسیحی برادران کو آگاہ کرتے ہیں کہ اب محمدیوں کا کہنا کہ یہ توریت اور انجیل وہ توریت اور انجیل نہیں ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل ہوئیں، کس بات پر مبنی ہے۔ ہم ناظرین پر وہ باتیں ظاہر کر چکے ہیں اور کچھ اَور بھی بتائے دیتے ہیں جو قرآن میں غیر ذریعوں سے درج ہوئی ہیں۔ جس سے بخوبی ظاہر ہو گا کہ بعض باتوں میں حقیقت معدوم ہوگئی اور بعض باتوں میں مخلوط ہوگئی ہے اور اس لئے قرآن کے بیانات کی یہ صورت اس کی عدم ضرورت پر دال کرتی ہے، کیونکہ خلق اللہ کو صاف صحیح حقیقتوں کی ہمیشہ ضرورت ہے نہ جیسی قرآن میں ہیں۔

بائبل مقدس	قرآن مجید
دفعہ ۱۔ آدم	
”پھر خُدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صُورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپایوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں اِختیار رکھیں۔ اور خُدا نے اِنسان کو اپنی صُورت پرپیدا کیا۔ خُدا کی صُورت پر اُس کو پیدا کیا۔ نرو ناری اُن کو پیدا کیا“ (پیدائش ۱: ۲۶، ۲۷)۔ ”اور خُداوند خُدا نے آدمؑ کو لیکر باغِ عدن میں رکھا کہ اُس کی باغبانی اور نگہبانی کرے ۔ اور خُداوند خُدا نے آدم کو حکم دِیا اور کہا کہ تُو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے۔ لیکن نیک وبد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا کیونکہ جِس روز تُونے اُس میں سے کھایا تُو مرا“	سورہ بقرہ رکوع ۴ میں یوں مرقوم ہے ”اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو مجھ کو بنانا ہے زمین میں ایک نائب بولے کیا تو رکھے گا اس میں جو شخص فساد کرے وہاں اور خون کرے؟ اور ہم پڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو۔ کہا مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ اور سکھائے آدم کو نام سارے پھر وہ دکھائے فرشتوں کو۔ کہا کہ بتاؤ مجھ کو ان کے نام اگر تم ہو سچے۔ بولے تو سب سے نرالا ہے ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تونے سکھایا تو ہی ہے اصل دانا پختہ کار۔ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کر پڑے مگر ابلیس نے قبول نہ رکھا اور تکبر کیا اور وہ تھا منکروں میں

(باب ۲:۱۵۔۱۷وغیرہ)۔" اور خُداوند خُدا نے کُل دشتی جانور اور ہوا کے کُل پرندے مٹّی سے بنائے اور اُن کو آدمؔ کے پاس لایا کہ دیکھے کہ وہ اُن کے کیانام رکھتا ہے اور آدم نے جِس جانور کو جو کہاوہی اُس کا نام ٹھہرا"(آیت ۱۹)انتہیٰ۔تیسرے باب میں شیطان کے بہکانے کا بیان ہے۔	کا۔اور کہا ہم نے اے آدم بس تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں محظوظ ہو کر جس جگہ چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے پھر تم بے انصاف ہوگے۔پھر ڈگایا ان کو شیطان نے، الخ"۔

اب ظاہر ہے کہ قرآن کے اس بیان کی کچھ باتیں توریت کے موافق اور کچھ زائد اور برخلاف ہیں۔چنانچہ فرشتوں سے خدا کا سوال و جواب کرنا اور آدم کو حکمت سے جانوروں کے نام بتا کر فرشتوں کو قائل کرنا اور آدم کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا نہ کرنا غیر باتیں ہیں۔یہ کہاں سے پائیں (کیا یہود یا مسیحیوں نے یہ بیان توریت سے نکال ڈالا تھا جو قرآن میں ہے اور توریت میں نہیں) یہ تو کبھی نہیں ہوا۔مگر قرآن میں یہ بیان حضرت محمد کے مبدائے علم ثانی یعنی احادیث یہود سے آیا ہے۔چنانچہ اس مقام پر سیل صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قصہ محمد نے یہودی حدیثوں سے لیا ہے[1] جو بیان کرتی ہیں کہ جب خدا نے ان سے اس کی پیدائش کی بابت مشورہ کیا اور فرشتوں نے انسان کی بابت تحقیر سے کلام کیا تو خدا نے جواب دیا کہ انسان تم سے دانا ہے اور اس کی نسبت انہیں قائل کرنے کے لئے وہ سب قسم کے جانوروں کو ان کے پاس لایا اور ان سے اس کے نام پوچھے۔جب وہ نہ بتا سکے تو اس نے وہی سوال انسان سے کیا۔اس نے ایک ایک کا نام لیا اور جب اس سے اپنا نام اور خدا کا نام پوچھا گیا اس نے بہت ٹھیک جواب دیا اور خدا کا نام یہوواہ رکھا۔فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا بھی طالمود میں مذکور ہوا ہے۔جائے غور ہے کہ یہود کی حدیثیں نہ ہوئیں حضرت محمد صاحب کے لیے الہام ٹھہریں۔کبھی مسیحیوں کے اور کبھی یہودیوں کے جعلی قصوں سے کام چلایا ہے۔یہودیوں کی حدیثوں کا یہ حال نہیں کہ موسیٰ سے شروع ہوئی ہوں، مگر ان کی اپنی بناوٹ ہے جس میں انہوں نے توریت کی تفسیر ہی نہیں کی ہے بلکہ بہت باتیں توریت پر بڑھا کے موسیٰ کی طرف منسوب کر دیں ہیں اور ان کی یہ زیادتی خود توریت اور توریت کے حکم کے برخلاف ٹھہرتی ہے۔پس ایسے بناوٹی قصوں کو حقیقتوں کے ساتھ مخلوط کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔یہودیوں نے تو اپنے ایسے قصوں کو توریت سے علیٰحدہ بھی کیا تھا مگر حضرت محمد صاحب

---

[1] پروفیسر پولانو نے انتخاب طالمود حصہ ۴ میں اس قصہ کے کچھ بیان کا ترجمہ کیا ہے اور وہ یہ ہے۔جب خدا انسان کو پیدا کرنے لگا فرشتے اس کے گرد جمع ہوئے۔ان میں سے بعضوں نے اپنے لب کھول کے کہا۔اے خدا ایک ایسا وجود پیدا کر جو زمین پر تیری تعریف کرے جس طرح ہم آسمان پر تیری بزرگی کرتے ہیں، لیکن اوروں نے کہا اے قادر مطلق بادشاہ ہماری سن کچھ پیدا نہ کر۔آسمانوں کی جلال والی موافقت جو تو نے زمین پر بھیجی ہے انسان اسے بگاڑے گا اور برباد کرے گا۔پھر جب ملک الرحم فضل کے تخت کے آگے گھٹنے ٹیک کر حاضر ہوا تو جھگڑنے والے لشکروں پر خاموشی چھاگئی۔شیریں تھی وہ آواز میں جس نے التماس کیا!اے باپ تو انسان پیدا کر۔اس کو اپنی بزرگ صورت پر بنا۔میں اس کے دل کو آسمانی رحم سے بھروں گا۔ہر ایک جاندار چیز کی طرف ہمدردی کو اس سرشت پر منقش کروں گا۔اس کے وسیلہ سے وہ تیری تعریف کرنے کا موجب پائیں گے۔تب ملک الرحم خاموش ہوا اور ملک السلم نے آنسو بھری آنکھوں میں یوں کہا!اے خدا اسے پیدا مت کر!تیری سلامتی میں وہ ہرج ڈالے گا ،خون کا سیلاب آنے کا پیش رو ہو گا۔ہنگامہ، خطر اور لڑائی زمین کو داغی کریں گے اور تو زمین پر اپنے کاموں میں کوئی خوشی کی جگہ نہ پائے گا۔تب ملک العدالت تند آواز سے بولا اور اے خدا تو اس کا انصاف کرے گا۔وہ میرے فرمان کے مطیع ہو گا۔ملک الحق پہنچا اور کہا کہ ٹھہر جا اے صداقت کے خدا!انسان کے ساتھ تو زمین پر جھوٹ بھیجتا ہے۔تب سب خاموش ہوئے اور اس بڑی خاموشی میں سے کلمات الٰہی آئے کہ اے صداقت تو اس ساتھ زمین پر جائے گی لیکن رہنے والی آسمان ہی کی ہو گی۔اس سے ظاہر ہے کہ بے شک طالمود حضرت محمد کی استاد ہے۔

نے ہر دو کو ملا ہی دیا۔ سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہود کی آیت اور روایت میں فرق معلوم نہ ہوا اور اس لئے یہ آمیزش ظہور میں آئی۔ یہ بات قرآن کی عدم ضرورت کو بالکل ثابت کرتی ہے کیونکہ سچ اور جھوٹ کی علیٰحدگی ہی بہتر ہے، اختلاط کی ضرورت نہیں۔

دفعہ ۲۔ بنی اسرائیل کے بیٹوں کا قتال	
”اور اِسرائیل کی اَولاد برومند اور کثیرُ التّعداد اور فراوان اور نہایت زورآور ہوگئی اور وہ مُلک اُن سے بھر گیا۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہُوَا جو یُوسُف کو نہیں جانتا تھا۔ اور اُس نے اپنی قَوم کے لوگوں سے کہا دیکھو اِسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں۔ سو آؤ ہم اُن کے ساتھ حِکمت سے پیش آئیں تانہ ہو کہ جب وہ اَور زیادہ ہو جائیں اور اُس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مِل کر ہم سے لڑیں اور مُلک سے نِکل جائیں“ (خروج ۱: ۷۔ ۱۰)۔	”اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے موسیٰ اور اس کی قوم کو کہ دھوم اٹھائیں ملک میں اور موقوف کرے تجھ کو اور تیرے بتوں کو۔ بولا اب ہم ماریں گے ان کے بیٹے اور جیتی رکھیں گے ان کی عورتیں اور ان پر ہم زور آور رہیں ہیں“ (سورہ اعراف رکوع ۱۵)۔ ”پھر جب پہنچا ان پاس لے کر سچی بات ہمارے پاس سے بولے مارو بیٹے ان کے جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ اور جیتی رکھو ان کی عورتیں“ (سورہ مومن رکوع ۳)۔

اب واضح ہو کے فرعون کے متفرق ظلموں کا یہی سبب تھا۔ چنانچہ ان پر خراج کے لئے محصل بٹھانا اور دائی جنائیوں کو فرزند نرینے کے قتل کرنے کا حکم دینا اور ان سے مایوس ہو کر سب لوگوں کو حکم کرنا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دو اور جو بیٹی ہو جیتی رہنے دو (آیت ۲۲)۔ یہ سب ظلم بنی اسرائیل کی کثرت کے سبب سے ہوئے جس سے فرعون کو اپنی سلطنت کا خوف ہوا۔ اسی ظلم کے درمیان موسیٰ پیدا ہوا اور چھپایا گیا اور بڑا ہو کر خدا کا رسول ہوا، نہ کہ اس کے ایام رسالت میں لڑکوں کا قتل ہونا واقع ہوا اور وہ بھی اس سبب سے کہ بنی اسرائیل موسیٰ پر یقین لائے تھے۔ اِلّا برخلاف اس کے ایام رسالت میں فرعون اور اس کے لوگوں پر اس قدر سختی پر سختی ہوئی کہ آخر ش ان کے پہلوٹھے لڑکے بھی مارے گئے۔ البتہ جب موسیٰ فرعون کے پاس پہلی مرتبہ پیغام لایا (باب ۵) تو فرعون نے بنی اسرائیل پر اینٹ بنانے کی بابت بہت سختی کی، مگر بعد اس کے ہمیشہ وہ خود اور اس کے لوگ تکلیف اٹھاتے رہے۔ پس قرآن کا یہ بیان بھی مخلوط ہے۔

<u>دفعہ ۳۔ دعائے دین ابراہیم</u> سورہ بقر کے شروع میں یعنی پہلے رکوع میں قرآن کی کل تعلیم کا خلاصہ پایا جاتا ہے اور انہیں باتوں کو بار بار قرآن میں بیان کیا ہے۔ لیکن چونکہ ہم ان باتوں کا بیان نذر ناظرین کر چکے ہیں لہٰذا اب اس بات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو اس تعلیم قرآنی کا مقدم حصہ ہے یعنی دین ابراہیم جیسے سورہ نحل رکوع ۱۶ میں لکھا ہے۔ ”اصل ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا حکم بردار اللہ کا ایک طرف کا ہو کر اور نہ تھا شرک والو میں حق ماننے والا اس کے احسانوں کا۔ اس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر اور دی دنیا میں ہم نے اس کو خوبی اور آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے۔ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا وہ شرک والوں میں“۔

پیشتر اس سے کہ دین ابراہیم کا ذکر کیا جائے اس جملے کا تواریخی ذکر گوش گزار کیا جاتا ہے اور اس میں ہم اس امر کو پیش نظر رکھیں گے کہ کیا محمد صاحب اس تعلیم کا موجد مطلق ہے یا نہیں؟ تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کا خیال پیشتر بھی تھا اور وہیں سے محمد صاحب بھی اس تعلیم کا مشاہدہ کرنے پر آمادہ ہوا۔ محمد صاحب سے پیشتر حنیفیہ کا ایک گروہ تھا۔ وہ اپنے تئیں ابراہیمی صابئین کہتے تھے اور شروع میں محمد صاحب نے اپنے تئیں ان میں سے ایک قرار دیا تھا۔ ان کا طریق یہودی مسیحیت کی صورت رکھتا تھا۔ وہ ایک خدا کو مانتے تھے۔ ان کے پاس توریت، انجیل، ابراہیم اور موسیٰ کی روایتیں تھیں اور یہ روایتیں یہودیوں کی کتب مدراش میں پائی جاتی تھیں جو بطاریق اور فرشتوں اور پریوں کے قصے اور اَور زبانیں بھی شامل کرتے ہیں۔ اس فرقہ میں کئی ایک مشہور آدمی ہوئے ہیں۔ سب سے اول عمایہ ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ یہ محمد صاحب کو مطلق نہ مانتا تھا اور ہمیشہ اس کی ہجو کیا کرتا تھا کیونکہ وہ خود نبی بننے کا ارادہ کرتا تھا۔ اس کے سوا چار اور ہیں جو محمد صاحب کے رشتہ داروں میں سے تھے اور مشہور ورقہ بھی ان میں سے ایک تھا۔ یہ سب اپنے ملک کی پتھریلی پرستش سے بیزار ہو کر ایک دفعہ سالانہ عید پر کعبہ میں جمع ہوئے اور اپنے خیالات ایک دوسرے سے یوں بیان کیے کہ کیا ہم ایک پتھر کے گرد گھوما کریں جو نہ سنتا، نہ دیکھتا، نہ مدد دیتا اور نہ نقصان پہنچاتا ہے۔ آؤ ہم ایک بہتر ایمان کی تلاش کریں اور پھر وہ اعتقاد حنفی یعنی دین ابراہیم کی تلاش میں لگے۔ اس دین ابراہیم کو محمد (محمد حنفی) نے بحال کرنے کا ارادہ کی اور پھر دیکھو کہ کس طور سے کرنا شروع کیا؟ وہی دلائل اور تعلیم جو اس کے اجداد استعمال کرتے تھے آپ نے بھی استعمال کی اور خصوصاً زید کی جو لہو اور بت پرستی کی قربانیاں کھانے کو نفرت کے لائق کہتا تھا (یہ یہودی تعلیم یعنی توریت کا اثر تھا) اور بچوں کو زندہ دفن کرنے سے جو بت پرست عربوں کی رسم تھی حقارت کرتا تھا اور ابراہیم کے خدا کی بندگی کرتا تھا۔ یہ زید مکہ میں تعلیم دیا کرتا تھا اور محمد صاحب بھی اس کا شاگرد ہو چکا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد صاحب دین ابراہیم کے پہلے واعظ نہ تھے، مگر اس میں اوروں کے شاگرد ہو چکے تھے۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی دین ابراہیم کیا تھا؟ محمد صاحب اور اس کے ہم عصر اس سے کیا سمجھے؟ سورہ بقر رکوع ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نہ یہودی تھا، نہ نصارا لیکن مسلمان تھا۔ یاد رہے کہ جب لفظ مسلمان ابراہیم پر بولا گیا تو اس سے محمدی مسلمانی مراد نہیں ہے۔ لیکن یہ وہ بات ہے جو طالمود میں بیان ہوئی ہے۔ مسلم طالمودی لفظ ہے۔ اس میں یہ لفظ راستبازوں پر بولا گیا ہے اور پھر یہ خیال کہ وہ نہ یہودی تھا نہ مسیحی طالمود اور مدراش والا خیال ہے۔ جس سے غرض یہ ہے کہ اس کے وقت میں تورات اور انجیل نہ تھے اور ابراہیم کی مسلمانی یا راستبازی کے لحاظ سے مشنا میں آیا ہے کہ تم ابراہیم کے شاگرد بنو۔ پھر دین ابراہیم میں محمد صاحب نے خدا کی وحدانیت کا موضوع سمجھا۔ چنانچہ ہگدہ Haggadah[1] کے بموجب دین ابراہیم یہ تھا۔ ایک خدا کی ہستی جو خالق کل عالم کا ہے اور اس عالم پر رحم اور مہربانی سے حکومت کرتا ہے۔ فقط وہی انسان کی قسمت ٹھہراتا ہے، نہ کہ فرشتے یا سیارے۔ بت پرستی اگرچہ اس کے اعتقاد کے ساتھ ملائی جائے تاہم نفرت کے لائق ہے۔ صرف اسی کی بندگی کرنی چاہیئے۔ مصیبت میں صرف اسی پر توکل ہونا چاہیئے۔ وہ مظلوموں کو رہائی بخشتا ہے۔ ہمیں اسی سے دعا کرنا اور محبت

[1] طالمود کا وہ حصہ ہے جس میں قصے اور واقعی باتوں سے مجازی تمثیلیں شامل ہیں اور اس میں کتب مقدسہ کے تواریخی اور اخلاقی حصوں پر بیان بڑھایا گیا ہے وغیرہ۔

سے اس کی خدمت کرنی چاہیئے اور وہی کتاب دین ابراہیم میں باہمی سلوک کی بابت یہ سکھاتی ہے کہ مہربانی اور رحمت ابراہیم کے ایمان کی نشانی ہے۔ وہ جو رحم دل نہیں ہے۔ ابراہیم کے فرزندوں میں سے نہیں [1] ہے وغیرہ۔

محمد صاحب نے اس دین میں خدائی تعلیم کو مقدم سمجھا ہے۔ ان کل طالمودی فقروں میں لفظ رحمان استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ جابجا قرآن میں بھی قائم رکھا ہے اور سوائے اس کے محمد نے ان احادیث یہود کے مطلب کو ہمیشہ اور لفظوں کو اکثر قائم رکھا ہے اور کیا کرتے جو کچھ جس طرح سنا اور سیکھا اسی ڈھب پر کہتے ہیں۔ پس یہ اس کی مقدم تعلیم کی اصل بنا تھی۔ پھر ہم بیان قرآنی میں یہ دیکھتے ہیں۔ ابراہیم شرک والا نہ تھا اور طالمود میں اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کی عبادت میں شرکت نہ چاہیئے یعنی درمیانی یا وسیلے مثل بتوں یا سیاروں کے بالکل رد کیے ہیں۔ غرض کہ دین ابراہیم کا احوال حضرت محمد صاحب کو طالمود سے حاصل ہوا۔ اس سے یہ باتیں عائد ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کی عدم ضرورت اظہر ہے اور دوسری یہ کہ حضرت نے سیکھا طالمود سے اور کہہ دیا کہ حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ دین ابراہیم پر۔ یہ کیسا فریب ہے! بہتر ہوتا اگر دین ابراہیم توریت سے سیکھتے کیونکہ اس حال میں طالمود کے بناوٹی قصوں کے داؤ میں آجانے سے تو بچتے۔ افسوس کہ قرآن میں وہ بھی سبھی منقول ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورہ انعام رکوع ۹ میں یوں مرقوم ہے "پھر اندھیری آئی اسی رات دیکھا ایک تارہ بولا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہوا تجھ کو خوش نہیں آتے چھپ جانے والے۔ پھر جو دیکھا چاند چمکتا بولا یہ ہے میرا رب پھر جب وہ غائب ہوا بولا اگر نہ راہ دے مجھ کو رب میرا تو بے شک رہوں میں بھٹکتے لوگوں میں۔ پھر دیکھا سورج چمکتا بولا یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا۔ پھر جب وہ غائب ہوا بولا اس قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو"۔ "اور قسم ہے اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے۔۔۔ بولے اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے ٹھاکروں کی اگر کچھ کرتے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہو جا اور آرام ابراہیم پر" (سورہ انبیا رکوع ۵)۔ دیکھو اے ناظرین یہ سب باتیں حگدہ مذکورہ بالا میں مفصل طور سے پائی جاتا ہیں۔ چنانچہ پروفیسر پولانو کے انتخاب طالمود باب۔۔ میں یہ قصہ یوں لکھا ہے:

> "جب وہ (ابراہیم) بالکل لڑکا تھا اس نے دوپہر کے سورج کے روشن جلوے کو اور اس عکسی نور کو جو وہ ارد گرد کی چیزوں پر ڈالتا تھا دیکھ کر کہا کہ یقیناً یہ مجلیٰ نور ضرور خدا ہے، میں اس کی پرستش کروں گا اور اس نے آفتاب کی پرستش کی اور اس سے دعا مانگی۔ لیکن جوں جوں دن بڑھا سورج کی روشنی کم ہوئی۔ وہ چمک جو وہ زمین پر ڈالتا تھا رات کی گھٹا میں گم ہوئی اور جیوں شفق گہری ہوئی لڑکے نے التجا کی موقوف کیا کہ نہیں یہ خدا نہیں ہو سکتا۔ پھر خالق کو میں کہاں پاؤں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اس نے مغرب اور دکھن اور اتر اور پورب کی طرف دیکھا۔ آفتاب اس کی نظر سے ناپدید (پوشیدہ) ہوا اور نیچر ایک گزرے ہوئے دن کی چادر میں ملفوف ہوئی۔ تب چاند اٹھا اور ابراہیم نے اسے آسمانوں میں ہزارہا ستاروں سے گھرا ہوا دیکھ کر کہا شاید یہ وہ الٰہ ہیں جنہوں نے سب چیزیں بنائیں اور اس نے ان کے آگے دعا کی۔ لیکن

[1]۔ دیکھو عمانوایل ڈیوٹسخ کی کتاب طالمود اور اسلام وغیرہ۔ Immanuel Deutsch

جب صبح ہوئی اور ستارے زرد ہوئے اور چاند روپے کی سی سفیدی میں زائل ہوا اور آفتاب کی باز آمدہ روشنی میں گم ہوا۔ تب ابراہیم نے خدا کو پہچانا اور کہا کہ ایک اعلیٰ قدرت، ایک اعلیٰ ہستی ہے اور یہ سورج چاند وغیرہ اس کے خدمت گزار اور اس کی دستکاریاں ہیں"۔

پھر ابراہیم کی بت شکنی اور ازاں (اس سے) موجب بھٹی میں ڈالے جانے کی بابت یوں لکھا ہے:

تب ابراہیم پکارا۔ میرے باپ اور اس خراب پشت پر افسوس! ان پر افسوس! جو اپنے دلوں کو بطلان کی طرف مائل کرتے اور بے حس مورتوں کو پوجتے ہیں جو سونگھنے، کھانے، دیکھنے اور سننے سے محروم ہیں۔ ان کے منہ ہیں لیکن وہ آواز نہیں نکال سکتے وغیرہ اور ایک لوہے کا اوزار لے کر اس نے سوائے ایک کے اور سب مورتوں کو توڑ ڈالا اور وہ اوزار اس باقی ماندہ کے ہاتھوں میں رکھ دیا۔ لیکن (اس حکمت سے اپنے باپ تارہ (تارح) کو سمجھا کر تھوڑی دیر بعد) وہ لوہا اس کے ہاتھوں سے لے کر اس کو بھی اپنے باپ کی آنکھوں کے سامنے توڑ ڈالا (جب اس کے باپ نے نمرود بادشاہ کو اس بات کی خبر دی تو بادشاہ کے مشیروں نے جواب دیا کہ) وہ جو بادشاہ کی بے عزتی کرے اس کو پھانسی دینا چاہیئے۔ اس شخص نے زیادہ کیا ہے۔ وہ تبرکات کی چوری کا مجرم ہے۔ اس نے ہمارے الہٰوں کی بے عزتی کی ہے۔ اس لیے وہ جلائے جانے کے لائق ہے۔ اگر بادشاہ کو منظور ہو تو ایک بھٹی دن اور رات بھر گرم کی جائے اور تب یہ ابراہیم اس میں ڈالا جائے۔ یہ صلاح بادشاہ کو پسند آئی اور حکم دیا کہ فوراً ایسا ہی کیا جائے۔۔۔ اور ابراہیم اور حاران (اس کو بھی ابراہیم کے باپ نے پھنسا دیا تھا) دونوں بادشاہ کے روبرو حاضر کیے گئے۔ سب باشندوں کے سامنے ان کے کپڑے اتارے گئے۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں باندھے گئے اور وہ جلتی بھٹی میں ڈالے گئے اور آگ کی تیزی اس قدر تھی کہ بارہ آدمی جنہوں نے ان کو ڈالا تھا بھسم ہو گئے۔ لیکن خدا نے اپنے بندے ابراہیم پر رحم کیا اور اگرچہ وہ رسے جن سے وہ بندھا تھا اس کے اعضا پر سے جل گئے تھے، تاہم وہ آگ میں بے ضرر سیدھا ہو کر پھرتا تھا۔ لیکن حاران اس کا بھائی جس کا دل خداوند کا نہ تھا، شعلوں میں فوراً مر گیا۔

پس دیکھو قرآن جھوٹی سچی روایتوں کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے اور روایتوں کا بھی ذرا خیال کرو کہ اَور مذہب والوں کی تھیں۔ انہیں سے آپ نے سیکھیں، نہ کہ کسی وحی آسمانی سے۔ ان باتوں پر غور کرنے سے قرآن کیسا فضول ٹھہرتا ہے۔

دفعہ ۴۔ مریم کے جننے کا احوال	
انجیل یعقوب	قرآن مجید
باب ۱۱ آیات ۸۔۱۱ میں لوگوں اور مریم کے سوال و جواب اسی مضمون کے درج ہیں اور یہ اس وقت ہوئے جب مریم کا حاملہ ہونا	سورہ مریم رکوع ۲ "پھر لے آیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں، بولی کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی بھولی بسری۔ پھر

ظاہر ہو گیا اور قرآن میں عیسیٰ کے تولد ہونے کے بعد اس سوال و جواب کا ہونا لکھا ہے۔ سنی سنائی روایتوں میں اس قسم کے اختلاف آجایا کرتے ہیں اور محمد صاحب کا تحقیقی مصنف نہ ہوتا تو ظاہر ہے۔اس انجیل کا بیان یہ ہے "اور کاہن نے اس سے کہا اے مریم تو نے کیا کیا؟ کیوں تو نے اپنے جی کو کمینہ کیا اور اپنے خدا کو بھول گئی ۔کیونکہ تو نے پاکترین مکان میں تربیت پائی اور فرشتوں کے ہاتھوں سے اپنی خوراک پائی اور ان کے گیت سنے۔ تو نے یہ کیوں کیا؟ اس کا اس نے سیلاب اشک کے ساتھ جواب دیا۔ چونکہ خداوند میرا خدا زندہ ہے، میں اس کی نظر میں بے گناہ ہوں کیونکہ میں کسی آدمی کو نہیں جانتی"۔ پھر اسی انجیل کے باب ۱۲ آیات ۱۲۔۱۴ میں ۲ع ذکر ہے کہ ایک غار میں مریم کو لڑکا پیدا ہوا۔

آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غم نہ کھا کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ اور ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اس سے گریں تجھ پر پکی کھجوریں اب کھا پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ ۔سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے رحمان کا روزہ، سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے ۔ پھر لائی اس کو اپنے لوگوں کے پاس گود میں بولے اے مریم تو نے یہ کی چیز طوفان۔اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا اور نہ تھی تیری ماں بدکار"۔

یہ دونوں قسم کے بیان اناجیل الہامیہ کے خلاف ہیں اور پھر قرآن اور انجیل یعقوب میں بھی پوری موافقت نہیں ہے۔ تاہم ظاہر ہے کہ حضرت محمد صاحب کی معلومات کا ذریعہ ایسی یا یہی جعلی روایتیں تھیں جو اکثروں کی زبانی بیان ہوتے ہوتے قدرے تبدیل ہو گئیں، مگر ان کی بنا انہی جعلی انجیلوں پر تھی۔ مگر اناجیل الہامیہ میں ان کے برخلاف بیان موجود ہے۔ چنانچہ میکاہ نبی کی معرفت یہ خبر تھی کہ مسیح بیت لحم میں پیدا ہو گا (میکاہ ۵:۲) اور متی کی انجیل ۲:۱ میں یہ مذکور ہے کہ یسوع ہیرودیس بادشاہ کے وقت یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا اور میکاہ نبی کی نبوت کا اس موقع پر حوالہ دیا ہے اور لوقا لکھتا ہے "پس یوسُف بھی گلیل کے شہر ناصرۃ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہُودیہ میں ہے۔ اِس لیے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اَولاد سے تھا۔ تا کہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملِہ تھی نام لکھوائے۔ جب وہ وہاں تھے تو اَیسا ہُوَا کہ اُس کے وضع حمل کا وقت آ پُہنچا۔ اور اُس کا پہلَوٹھا بیٹاپَیدا ہُوَا اور اُس نے اُس کو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھّا کیونکہ اُن کے واسطے سرای میں جگہ نہ تھی" (لوقا ۲:۴۔۷) اور واضح ہو کہ تمام علمائے قدیم مسیح کے بیت لحم میں پیدا ہونے پر شہادت دیتے ہیں۔ غار اور کھجور کا ان راویوں کو ذرا بھی خیال نہیں اور مریم اور لوگوں کا سوال و جواب بھی ایک جعلی بناوٹ ہے۔ ان باتوں نے اصل بیان کو مخلوط کر دیا ہے۔ پس ایسے قرآن کی مطلق ضرورت نہیں جو جعلی روایتوں سے اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔

دفعہ ۵۔ مسیح کی طفولیت کا احوال	
انجیل مقدس	قرآن مجید
انجیل لوقا ۱: ۲۶۔ ۳۷ " چھٹے مہینے میں جبرائیل فرشتہ خُدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جِس کا نام ناصرۃ تھا ایک کُنواری کے پاس بھیجا گیا۔ جِس کی منگنی داؔؤد کے گھرانے کے ایک مرد یُوسف نام سے ہوئی اور اُس کُنواری کا نام مریم تھا۔ اور فرشتہ نے اُس کے پاس اندر آکر کہا سلام تجھ کو جِس پر فضل ہُوا ہے! خُداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اِس کلام سے بُہت گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ فرشتہ نے اُس سے کہا اَے مریم! خوف نہ کر کیونکہ خُدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہُوا ہے۔ اور دیکھ تُو حامِلہ ہو گی اور تیرے بیٹا ہو گا۔ اُس کا نام یِسُوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہو گا اور خُدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خُداوند خُدا اُس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا۔ اور وہ یعقوؔب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا اور اُس کی بادشاہی کا آخر نہ ہو گا۔ مریم نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہو گا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی ؟ ۔اور فرشتہ نے جواب میں اُس سے کہا کہ رُوحُ القدس تجھ پر نازِل ہو گا اور خُدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اِس سبب سے وہ مَولُودِ مُقدّس خُدا کا بیٹا کہلائے گا۔۔۔ کیونکہ جو قَول خُدا کی طرف سے ہے وہ ہرگز بے تاثیر نہ ہو گا۔	سورہ عمران رکوع ۵ آیت ۴۵۔ ۴۷ "جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا ، مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور نزدیک والوں میں اور باتیں کرے گا لوگوں سے جب ماں کی گود میں ہو گا اور جب پوری عمر کا ہو گا اور نیک بختوں میں۔ بولی اے رب کہاں سے ہو گا مجھ کو لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگا یا کسی آدمی نے کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب حکم کرتا ہے ایک کام کو یہ کہتا ہے اس کو کہ ہو وہ ہوتا ہے"۔ پھر سورہ مریم رکوع ۲ آیت ۳۰۔ ۳۴ "پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو بولے ہم کیونکر بات کریں اس شخص سے کہ وہ گود میں لڑکا۔ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو نبی کیا اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں"۔

اولاً، ظاہر ہے کہ انجیل مقدس کے حضور بیان قرآنی کی حاجت نہ تھی کیونکہ وہ بیان روح القدس نے ان لوگوں کی معرفت لکھوادیا جو شروع سے مسیح کے گواہ تھے اور اس لئے محمد صاحب کا بیان ان کے مقابل میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ زیرا کہ اس قدر عرصہ دراز کے بعد اس کی تحریر کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ ثانیاً، جب مضمون قرآنی کے ان بیانات پر نظر ٹھہرتی ہے جن پر خط کھینچا ہے تو وہ بیان مخلوط معلوم ہوتا ہے اور قرآن کی عدم ضرورت کو اور بھی واضح ولائحہ (کوئی واضح چیز) کرتا ہے۔ یہ ملونی (ملاوٹ) کہاں سے آئی محمد صاحب تو کہتے ہیں کہ یہ خبریں غیب کی ہیں۔ ہم بھیجتے ہیں تجھ کو، الخ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اس وقت موجود نہ تھے مگر اس قسم کی خبریں تو اس زمانہ میں مشرقی مسیحیوں میں

رائج تھیں۔ چنانچہ طفولیت مسیح[1] کی پہلی انجیل جو ایسی روایتوں کا گویا مخرج تھا اس کے باب اول میں یہ ذکر ہے کہ وہ (یعنی یوسف سردار کاہن جسے بعض کیفاس کہتے تھے) بیان کرتا ہے کہ عیسیٰ نے جب وہ مہد (یاماں کی گود) ہی میں تھا اپنی ماں سے کہا کہ "اے مریم میں عیسیٰ خدا کا بیٹا ہوں۔ وہ کلام جو تو نے جبرائیل فرشتے کے کہے کے موافق جنا اور میرے باپ نے مجھے دنیا کی نجات کے واسطے بھیجا ہے"۔ سورہ مریم والی آیت میں عیسیٰ کا اپنے تئیں بندہ اللہ کا کہنا محمد صاحب کے خیال کے موافق بیان ہوا ہے لیکن غرض مسیح کی ماں کی گود میں باتیں کرنے سے ہے۔ سو یہ ایسی بات نہ تھی جو محمد ﷺ کو اس کے علم کے لئے وحی کی حاجت ہوئی۔ وہی مشہور باتیں جو مسیحیوں میں روایتاً رواج پائی ہوئی تھیں، قرآن میں بھی درج کی گئیں۔ جب یہ حال ہے تو محمدی کیوں نہ کہیں کہ انجیل مروجہ اصلی انجیل نہیں کیونکہ قرآن کے نزدیک تو اصلی انجیل وہ جعلی قصے ٹھہرے جو مسیحیوں میں رائج تھے اور جو انجیل مقدس کے خلاف اور قرآن سے کسی قدر موافقت رکھتے ہیں۔ پس ایسے قرآن کی کس کو ضرورت ہے۔ عاشقان حق کو ہرگز نہیں ہے۔

معجزات سن طفلی	
انجیل طفولیت مسیح	**قرآن مجید**
باب ۱۵ آیات ۱۔ ۲ "اور جب خداوند عیسیٰ سات برس کا تھا وہ ایک دن اسی عمر کے لڑکوں کے ساتھ تھا جو اس کے رفیق تھے۔ جب وہ کھیلتے ہوئے مٹی کی کئی صورتیں یعنی گدھے، بیل، پرندے اور اَور مورتیں بناتے تھے اور ہر ایک اپنے کام پر فخر کرتا اور دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ تب خداوند عیسیٰ نے لڑکوں کو کہا کہ میں ان مورتوں کو جو میں نے بنائی ہیں چلنے کا حکم دیتا ہوں اور وہ فوراً چلنے لگیں اور جب اس نے حکم دیا کہ لوٹ آؤ وہ لوٹ آئیں۔ اس نے پرندوں اور چڑیوں کی بھی صورتیں بنائیں جن کو جب اس نے اڑنے کا حکم دیا اڑنے لگیں اور جب حکم ہوا کہ ٹھہر جاؤ تو ٹھہر گئیں اور اگر اس نے انہیں کھانے پینے کو دیا تو انہوں نے کھایا اور پیا، انتہیٰ"۔ انجیل مقدس میں سے متی ۱۱: ۴، ۵ "یسوع نے جواب میں اُن سے کہا کہ جو کُچھ تُم سُنتے اور دیکھتے ہو جا کر یُوحنّا سے بیان کردو۔ کہ اندھے دیکھتے اور لنگڑے چلتے پِھرتے ہیں۔ کوڑھی پاک صاف کئے جاتے اور بہرے سُنتے ہیں اور مُردے زندہ کئے جاتے ہیں اور غریبوں کو خوشخبری سُنائی جاتی ہے"۔ مگر یہ سن طفلی کے معجزے نہ تھے۔	سورہ عمران رکوع ۵ آیت ۴۸ "اور رسول ہو گا بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تم پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی کہ بنا دیتا ہوں میں تم کو مٹی سے جانور کی صورت پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ ہو جائے اڑتا جانور اللہ کے حکم سے اور چنگا کرتا ہوں جو اندھا پیدا ہوا اور کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے"، الخ۔ یہ فقرہ یعنی اللہ کے حکم سے حضرت محمد صاحب کی اپنی سوچ ہے اور یہ اس لیے کہا کہ مسیح کی الوہیت سے انکاری تھے اور صرف رسول کہا ہے اور رسول سارے کام اللہ کے حکم سے کرتے تھے مگر خداوند مسیح ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ "میں چاہتا ہوں"، "میں کہتا ہوں" وغیرہ۔ پھر واضح ہو کہ وہ معجزے جن پر خط لگایا ہے صاف ظاہر نہیں کہ مسیح نے کس وقت کئے آیا طفولیت میں یا سن بلوغت میں، مگر انجیل طفولیت مسیح میں اور معجزے اسی قسم کے لکھے ہیں جو اس نے چھوٹی عمر میں کئے۔

[1]۔ یہ انجیل اور بہت اور جعلی کتابیں ہون صاحب نے ایک جلد میں جمع کی ہیں اور اس کا نام جعلی عہد جدید رکھا ہے۔ اس کے صفحہ ۳۸ میں سے اس انجیل کا شروع ہوتا ہے۔

مسیح کی طفولیت کی یہی دو مثالیں قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور وہ بھی جعلی قصوں کے اعتبار پر۔ اس سے ہر ایک معلوم کرے کہ قرآن اور بائبل میں کیوں ایسا فرق ہے اور یادرہے کہ صاف اور سچی حقیقتیں، اصلی اور الہامی اناجیل میں موجود تھیں اور ماسوائے ان کے غلط اور جعلی قصے بھی جہاں تہاں رائج تھے۔ دیکھو سچ اور جھوٹ کی علیٰحدگی مناسب تھی۔ سووہ تو شروع ہی سے قائم ودائم رہی۔ پھر کیا ہر دو کی آمیزش کے لیے قرآن کی ضرورت ہوئی؟ مگر ایسے اختلافات اور اختلاط کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ پس اول ان باتوں پر فکر کریں اور پس ازآں قرآن پر نازاں ہوں یا اس کی تعمیل وتلاوت کا خیال دل میں لائیں یا ترک کریں۔ خدائے کریم ہدایت بخشے۔

دفعہ ۶۔ مسیح کی الوہیت کا احوال واضح ہو کہ وہ جعلی انجیل جس کا اوپر ذکر ہوا اور انجیل طفولیت مریم اور انجیل یعقوب وغیرہ میں اور بہت قصہ جات مسیح کی بابت لکھے ہیں، مگر مسیح کی الوہیت سے انکار نہیں ہے اور اناجیل الہامیہ میں تو اس تعلیم کو بدرجہ اولیٰ رکھا ہے۔ مگر قرآن میں اس مسئلہ سے انکار ہے۔ پس وہ انکار کیونکر ہوا؟ یہ الہامی اور جعلی تواریخیں اس امر میں تو حضرت محمد صاحب کا ساتھ نہیں دیتیں جیسا مقابلہ ذیل سے ظاہر ہے۔

انجیل مقدس	قرآن مجید
"اِس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا جسے اُس نے سب چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلہ سے اُس نے عالم بھی پَیدا کئے" (عبرانیوں ۱:۲)۔ پھر انجیل مرقس میں لکھا ہے "اور جب وہ پانی سے نِکل کر اُوپر آیا توفی الفور اُس نے آسمان کو پھٹتے اور رُوح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا۔ اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے مَیں خوش ہوں" (مرقس ۱:۱۰۔۱۱)۔ "خُدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اِکلَوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہِر کِیا" (یوحنا ۱:۱۸)۔ یہ تینوں نسبتی حوالے مسیح کے ابن خدا ہونے کے شاہد ہیں اور بھی دیکھو "جو کوئی اِقرار کرتا ہے کہ یِسُوع خُدا کا بیٹا ہے خُدا اُس میں رہتا ہے اور وہ خُدا میں" (۱۔یوحنا ۴:۱۵)۔ پھر اس کی الوہیت کی نسبت دیکھو یوحنا ۱:۱، ۲ "اِبتدا میں کلام تھا اور کلام خُدا کے ساتھ تھا اور کلام خُدا تھا۔ یہی اِبتدا میں خُدا کے ساتھ تھا"۔ "اُس نے اگرچہ خُدا کی صُورت پر تھا خُدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا" (فلپیوں ۲:۶)۔ "اور خُدا	سورہ مائدہ رکوع ۳ آیت ۱۹ "بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی ہے مسیح مریم کا بیٹا"، الخ۔ پھر اسی سورہ کے رکوع ۱۰ آیت ۷۶، ۷۷ "بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا"، الخ۔ (آیت ۷۹) "اور کچھ نہیں مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول ہے گزر چکے اس سے پہلے رسول اور اس کی ماں ولی تھی۔ دونوں کھاتے تھے کھانا"۔ سورہ نسار کوع ۲۳ آیت ۱۶۹ "اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت بولو اللہ کے حق میں مگر بات تحقیق مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف روح ہے اس کے یہاں کی"۔

باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اِقرار کرے کہ یسُوع مسیح خُداوند ہے"(آیت ۱۱)۔	

واضح ہو کہ مسیح کو صرف خدا ماننا انجیل کے خلاف اور ایک بدعت ہے۔ چنانچہ انجیل میں مسیح کی حقیقی انسانیت ایسی ہی مصرح ہے جیسی اس کی الوہیت۔ جس طرح الوہیت کے لیے الٰہی نام، کام اور اوصاف منسوب ہوئے ہیں اسی طرح انسانیت کے لیے انسانی غرضات کا ذکر آیا ہے۔ الوہیت کی چند مثالیں بیان ہوئیں۔ اب انسانیت کے بارے میں ہم صرف ایک ہی مثال دیتے ہیں۔ فلپیوں کے نام خط ۲:۶۔۸ میں یوں لکھا ہے "اُس نے اگرچہ خُدا کی صُورت پر تھا خُدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا۔ بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دِیا اور خادِم کی صُورت اِختیار کی اور اِنسانوں کے مُشابِہ ہو گیا۔ اور اِنسانی شکل میں ظاہِر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دِیا اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ مَوت بلکہ صلِیبی مَوت گوارا کی" انتہیٰ۔ پھر دیکھو کہ اسی صورت میں ہو کے وہ خدا باپ کا رسول ہے "جس نے مجھے بھیجا میرے ساتھ ہے"(یوحنا۸:۲۹)۔ اب قرآن میں یہ ہاتھ کھیلا ہے کہ مسیح کی انسانی غرضات سے اس کی الوہیت پر حملہ کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کے حوالوں مسطورہ بالا میں یہ باتیں شامل ہیں۔ اول، یہ کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا تھا اس لئے خدا نہیں۔ دوم، رسول ہے اللہ کا اس لئے وہ خود اللہ نہیں۔ سوم، کھانا کھاتا تھا اس لئے خدا نہیں کیونکہ خدا کھانا نہیں کھاتا۔ مگر ان ہی باتوں سے انجیل مسیح کو کامل اور حقیقی انسان ثابت کرتی ہے جیسا مذکور ہوا۔ پس جب محمد صاحب نے سنا کہ مسیحی مسیح کو اللہ مانتے ہیں تو اس تعلیم کی ماہیت سے سہواً یا قصداً نا سمجھ رہ کر الوہیت سے انکار کیا اور یوں حقیقت صادق کو بیان قاصر سے ایک اور ہی صورت دی۔ پھر یہ ایک ظاہرا بات ہے کہ مسیح میں انسانی لوازمات سن کر یا دیکھ کر اس کی الوہیت کا یقین محال معلوم ہو۔ چنانچہ محمد صاحب کے سوائے اور بہتیروں نے ان سے پہلے [جن میں ایری اَن (اریوسی، چوتھی صدی میں اسکندریہ (مصر) کے پریسبٹر بشپ آریوس کا پیروکار) مشہور ہیں] اور بعد میں بھی اسی سبب انکار کیا اور اب تک ایسے لوگ (یونی ٹیری ان) موجود ہیں۔ عجب نہیں کہ ان کے دل میں بھی اس بات نے جگہ پائی۔ بایں ہمہ یہ بھی خیال رہے کہ ایسے انکاری محمد صاحب سے پہلے بھی ہو گزرے جن کے ذریعہ سے انکار الوہیت کا آوازہ بہتیروں کے کانوں تک پہنچا اور ارادہ نے بھی اس آواز کی طرف توجہ کی۔ ان میں سے سر نتھس اور تھیوڈوٹس بائی زن ٹئیس مشہور ہیں۔ ان ملحدوں کے پاس اپنے مطلب کی جعلی اناجیل ہوا کرتی تھیں، جیسے سر نتھس کی انجیل اور پطرس کا مکاشفہ وغیرہ اور اسی طرح ہم تم سب دیکھتے ہیں کہ محمد صاحب نے بھی اپنے مطلب کی قرآن کتاب نکال دکھائی۔ ان باتوں سے ظاہر ہے کہ قرآن کی عدم ضرورت ایک بدیہی امر کے پایہ پر ہے۔

دفعہ ۷ مسیح کے مصلوب ہونے کا احوال	
انجیل برنباس	**قرآن مجید**
واضح ہو کہ انجیل برنباس کا ایک حصہ موجود ہے۔ اس میں اسی قسم کا بیان پایا جاتا ہے۔ خوف طوالت سے ہم صرف ضروری باتوں کو نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں "تب فرشتوں نے باکرہ سے بیان کیا کہ کیونکر یہودا عیسیٰ کی شکل میں مبدل ہو گیا تا کہ وہ آپ وہ سزا اٹھائے جس کو اس نے دوسرے پر وارد کرانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر جب برنباس نے پوچھا کہ خدائے رحیم نے یہ سب باتیں کیوں ہونے دیں۔ تب عیسیٰ نے جواب دیا اے برنباس میری بات کا یقین کر کہ ہر ایک گناہ کی خواہ وہ چھوٹا ہی ہو خدا سخت سزا دیتا ہے جس کو وہ نفرت انگیز ہے۔ پس چونکہ میری ماں اور میرے ایماندار شاگرد مجھے زمینی محبت کے اختلاط کے ساتھ پیار کرتے تھے۔ خدائے صادق انہیں اس محبت کے سبب سزا دینے پر رضا ہوا تا کہ بعد ازاں اس کے لیے دوزخ کے شعلوں میں عذاب نہ پائیں اور میں جو ہوں اگرچہ دنیا میں بے عیب زندگی گزارتا رہا تاہم چونکہ لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے خدا نے عدالت کے دن مجھے شیاطین کے ٹھٹھوں سے محفوظ رکھنے کے لیے چاہا کہ میں اس دنیا میں یہودا کی موت سے ندامت اٹھاؤں اور سب لوگوں کو یقین ہوا تھا کہ میں حقیقتاً سولی دیا گیا۔ پس یہ ملامت محمد صاحب کے آنے تک رہے گی جو دنیا میں آکر سب کو جو خدا کی شریعت پر ایمان لاتے ہیں، اس غلطی سے بچائے گا (جونس)۔	سورہ نسا رکوع ۲۲ آیت ۱۵۶،۱۵۷ "اور اس کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور نہ اس کو مارا ہے نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہہ میں پڑے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا اور اس کو مارا نہیں بے شک بلکہ اس کو اٹھایا اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ زبردست حکمت والا"۔ سورہ عمران رکوع ۶ میں بھی کچھ ایسا ہی ذکر ہے۔

اب کہا جائے کہ یہ انجیل محمدیوں کی جعلسازی ہے یا کہ کسی عیسائی کا جعل ہے جس میں محمدیوں نے ملونی کی ہے تو ہر دو حالت میں قرآن کی خرابی ہے۔ کیونکہ ایک واقعی حقیقت کو جو چھ سو برس قبل آپ کے ہر ملک میں مشہور ہو رہی تھی اور مسیحیوں کے ایمان کا گویا رکن تھی (جیسا جسٹن شہید کی گواہی سے ان ایام کی بابت ظاہر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ انسان کی کوئی قوم نہیں خواہ بربری خواہ یونانی یا جس کسی نام سے وہ کہلاتے ہیں جن میں سب کے باپ اور مالک کو مسیح مصلوب کے نام سے دعائیں اور شکر گزاریاں گزرانی جاتی ہوں) اور پھر یہ بیان الہامی کتابوں میں چشم دیدہ گواہوں کی معرفت قلم بند ہوا۔ ایسی حقیقت کو ایک بناوٹی بات سے ٹالنا چاہا ہے اور یا ایک جعلی قصہ کے اعتبار پر قرآن میں یہ تذکرہ درج کیا ہے۔ البتہ چند بدعتی لوگ محمد صاحب سے پہلے ہوئے جنہوں نے قریباً ایسا ہی بیان کیا جن میں سے باسی لائیڈیز اور سرنتھس مشہور ہیں۔ مگر ان کے اور حضرت کے بیان میں کچھ فرق ہے، یعنی وہ عیسیٰ کا سولی دیا جانا مانتے تھے مگر اس طور سے کہ مسیح اس وقت عیسیٰ سے جدا ہو کر پرواز کر گیا تھا اور چھٹی صدی میں بھی مسیح کے جسم کی بابت بحث شروع ہوئی اور مدت تک جاری رہی۔ اس بحث میں بعضوں نے مسیح کی حقیقی تکلیف وغیرہ سے انکار کیا۔ بدعتیوں کی ایسی باتوں کی ہوا پا کر قرآن میں بھی مسیح کے مصلوب ہونے سے انکار ہوا، مگر ان سب کے برخلاف۔

انجیل مقدس کا بیان

انجیل مقدس کا بیان اس امر میں صاف صاف ظاہر کرتا ہے کہ مسیح مصلوب ہوا اور مردوں میں سے پھر زندہ ہوا۔کتاب اعمال ۲:۳۶"پس اسرائیل کا ساراگھرانایقین جان لے کہ خُدانے اُسی یِسُوع کو جسے تُم نے صلیب دی خُداوند بھی کیااور مسیح بھی"۔"ہمارے باپ دادا کے خُدانے یِسُوع کو جِلایاجِسے تُم نے صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا تھا۔اُسی کو خُدانے مالِک اور منجی ٹھہرا کر اپنے دہنے ہاتھ سے سربلند کیا تا کہ اِسرائیل کو توبہ کی توفیق اور گُناہوں کی مُعافی بخشے۔اور ہم اِن باتوں کے گواہ ہیں اور رُوحُ اُلقدس بھی جسے خُدا نے اُنہیں بخشا ہے جو اُس کا حکم مانتے ہیں"(اعمال۵:۳۰۔۳۲)۔"پس جب یِسُوع نے وہ سِرکہ پِیاتو کہا کہ تمام ہُؤااور سر جُھکا کر جان دے دی"(یوحنا۱۹:۳۰)۔

یوسیفس کا بیان

یوسیفس جو ایک مشہور یہودی مورخ ہے اور اسی زمانہ میں ہوا وہ بھی مسیح کے مصلوب ہونے پر شہادت دیتا ہے:

Now there was about this time Jesus, a wise man, if it be lawful to call him a man; for he was a doer of wonderful works, a teacher of such men as receive the truth with pleasure. He drew over to him both many of the Jews, and many of the Gentiles. He was [the] Christ. And when Pilate, at the suggestion of the principal men amongst us, had condemned him to the cross, those that loved him at the first did not forsake him; for he appeared to them alive again the third day; as the divine prophets had foretold these and ten thousand other wonderful things concerning him. And the tribe of Christians, so named from him, are not extinct at this day.

(Antiquities of the Jews - Book XVIII Chapter 3) *Sedition of the Jews against Pontius Pilate. Concerning Christ; and what befel Paulina, and the Jews at Rome.*

ترجمہ:

"اب قریب اسی وقت کے (اس سے پہلے یہ مورخ پلاطوس کا ذکر کرتا ہے) عیسیٰ ایک دانا آدمی ہوا اگر اس کو انسان کہنا روا ہو کیونکہ وہ عجائبات کا کرنے والا تھا۔ایسے لوگوں کا استاد جو سچائی کو خوشی سے قبول کرتے ہیں۔اس نے یہودیوں اور یونانیوں میں سے بہتیروں کو اپنی طرف کھینچا۔وہ مسیح تھا اور جب پیلاطس نے ہمارے سرداروں کی صلاح پر اسے صلیب کا فتویٰ دیاتو وہ جو پہلے اسے پیار کرتے تھے انہوں نے اسے نہ چھوڑا کیونکہ وہ انہیں تیسرے دن پھر زندہ دکھائی دیا، جیسا خدا کے نبیوں نے ان کی اور دس ہزار اور عجیب باتوں کی خبر دی تھی اور مسیحیوں کا فرقہ جو اس کے نام سے کہلاتا ہے آج تک معدوم نہیں ہوا"(انٹی کوئی ٹی کتاب۱۸باب ۳دفعہ ۳)۔

پس ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ بیان بھی اس کی اپنی عدم ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔ ہاں اگر لغویات کو حقیقتوں پر ترجیح دے سکتے ہیں تو ایک نہیں اور کئی قرآنوں کی ضرورت ہے۔ کیا حق تعالیٰ نے نئے طور اختیار کئے تھے جو ایسے قرآن کو نازل کیا، ہرگز نہیں۔ صداقت ہر حال میں صداقت ہی رہے گی۔

ضمیمہ فصل پنجم

کسی امر کی تحقیقات کرنے میں بہت محنت اور تجسس چاہیئے۔ بعض وقت بعض غصہ میں آکر یا اپنی ناواقفیت سے بے خبر رہ کر بے طرح کچھ نہ کچھ لکھ دیتے ہیں اور اس کے چھپ جانے کو اس کا ثبوت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس میں بہت دھوکا ہے اور مناسب ہے کہ ایسے معاملات میں جب قلم اٹھادیں تو چاروں کھونٹ کی سوچ لیا کریں۔ اگر یہ نہ ہو تو غلط کاریوں کا بہت اندیشہ ہے۔ میں اس کی ایک نظیر دے کر اہل قلم کو بیدار کیا چاہتا ہوں۔ منشور محمدی مطبوعہ ۲۵ جمادی الاول ۱۲۹۸ ہجری جلد ۱۰ نمبر ۱۵ کے صفحہ ۱۵۱ میں یوں مرقوم ہوا ہے "لوقا اور متی اور مرقس میں لکھا ہے کہ مسیح کی صلیب شمعون قرینی پر رکھ کر صلیب دینے کے لئے لے چلے اور دستور یہ تھا کہ ہر شخص جو صلیب دیا جاتا اپنی صلیب آپ لے جاتا تھا" (تفسیر سکاٹ صاحب متی ۲۷۔ ۳۲، صفحہ ۲۲۳)۔ اس سے آپ نے یہ بات نکالی ہے کہ شمعون قرینی مصلوب ہوا کیونکہ وہ صلیب اٹھا کے لے گیا تھا۔ یہ کیسا حیلہ آمیز کلام ہے۔ اگر متی، مرقس اور لوقا کے بیان سے آپ نے شمعون کا مصلوب ہونا سمجھ لیا تو پھر کیوں ان راویوں نے مسیح کی صلیب دیئے جانے کا بیان اس قدر تصریح کے ساتھ کیا ہے۔ کیا اتنی سوچ نہ آئی کہ شمعون کی بابت تو وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اسے جبراً بیگار میں پکڑا کہ یسوع کے پیچھے پیچھے اس کی صلیب لے چلے، لیکن یسوع ہی کو صلیب دیا نہ کہ اس قرینی کو۔ پس ان تینوں اناجیل سے شمعون کا مصلوب ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ جان بوجھ کے اپنی آنکھیں نہ پھوڑنی چاہیئں۔

رہا ایک فرقہ اور تین فرقے یعنی باسیلیدی[1]، سرہنتی[2]، کارپوکراٹی[3] اور ڈوسیٹی۔ سو سرہنتی کی بابت واضح ہو کہ وہ یسوع کا صلیب دیا جانا مانتا تھا لیکن یہ کہتا تھا کہ بروقت مسیح جو بپتسما پانے کے اس میں کبوتر کی صورت میں داخل ہوا تھا آسمان پر اڑ گیا۔ اس ملحد کی غرض یہ تھی کہ ناسٹکفس اور یہوداہ اور مسیح یسوع کی تعلیم کو ملا کر ایک نیا فرقہ بنادے۔ پس شمعون قرینی کے مصلوب ہونے کا یہ فرقہ شاہد نہیں ہو سکتا۔ پھر کارپوکراٹی اور باسیلایدی کا خیال یسوع اور مسیح کی نسبت سرہنتن کے موافق تھا۔ اس لئے ان کے خیالوں سے بھی شمعون قرینی کا مصلوب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ باسیلیدیز کی بابت ایڑینی اکس کے قول پر بعضوں نے کہا ہے کہ وہ مسیح کا حقیقی جسم نہ مانتا تھا اور کہ شمعون قرینی اس کی جگہ صلیب دیا گیا۔ مگر یہ قول غلط ثابت ہوا ہے۔ پھر ڈوسیٹی کے خیال کے بموجب مسیح کا حقیقی جسم نہ تھا اور اس لئے تاریکی کا سردار اور یہودیوں کا خدا یعنی اس دنیا کا خالق اسے ضرر نہ پہنچا سکے۔ اس سے بھی شمعون کا مصلوب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ آپ کے گواہوں کا یہ حال ہے اس لئے یہ دعویٰ کہ ان

---

[1] Basilides of Alexandria

[2] Sethianism

[3] Carpocrates

تینوں انجیلوں اور چار مسیحی فرقوں سے (مسیحی نہیں بدعتی تھے اور کارپوکراٹیز تو مصری فیلسوف تھا) کہ جن میں لاکھوں عالم و فاضل و تواریخ دان ہوں گے (نہیں کیونکہ ان فرقوں کی کچھ وسعت نہ تھی اور نہ بہت مدت قائم رہے) اور حضرت عیسیٰ کے عروج کے بعد انہیں دلوں میں موجود تھے (نہیں صاحب یہ سب دوسری صدی میں ہوئے) ثابت ہوا کہ صرف شمعون قرینی مصلوب ہوا نہ کہ حضرت عیسیٰ، صریحاً غلط ہے۔

قطع نظر اس کے واضح ہو کہ یسوع مسیح کا مصلوب ہونا اور زندہ ہونا اسی وقت سے لوگوں میں تحقیقی اور یقینی امر مسلم ہو گیا تھا۔ اس امر میں علمائے سابقہ نے ملحدوں اور مخالفوں کی تردید کی اور اس بات کو سچی حقیقت ثابت کیا۔ کس کس عالم اور مصنف کا تذکرہ سناؤں کیونکہ نہ صرف مسیحیوں میں یہ ایک حقیقی اور یقینی امر تھا بلکہ سرکاری دفتروں میں بھی حسب دستور قلم بند ہوا اور مسیحی مورخ حسب ضرورت ان کی طرف حوالہ دیتے تھے۔ چنانچہ یوسیبئیس[1] مورخ لکھتا ہے کہ:

> "تمام فلسطین میں ہمارے نجات دہندہ کے جی اٹھنے کے چرچا ہونے پر پلاطوس نے بادشاہ کو اس سے مطلع کیا اور نیز اس کے معجزوں سے جو وہ سن چکا تھا اور کہ اس کے مارے جانے اور جی اٹھنے پر بہتیرے اس کو خدا مانتے ہیں"۔

پھر جسٹن شہید[2] اور ٹرٹولین[3] جو دوسری صدی میں ہوئے۔ ایکٹس آف پائلیٹ[4] (اعمال پلاطوس) کا حوالہ دیتے ہیں۔ جسٹن شہید اپنی اپالوجی میں مسیح کے مصلوب ہونے اور اس کے متعلقہ حالات کا ذکر کر کے کہتا ہے اور کہ یہ سب باتیں اسی طرح واقع ہوئیں تم ان ایکٹس (اعمال نامہ) سے معلوم کرو جو پنطوس پلاطوس کے وقت میں بنایا گیا۔ پھر ٹرٹولین ان اپالوجی میں نجات دہندہ کے صلیب دیئے جانے اور جی اٹھنے وغیرہ کا بیان کر کے کہتا ہے کہ مسیح کی بابت ان سب باتوں کا احوال پیلاطوس نے شہنشاہ ٹائیبر ئیس (تبریس) کی طرف بھیجا وغیرہ۔ پھر غیر قوم مورخ مثل ٹاسٹیس[5] نیرو بادشاہ کی تاریخ اور عیسائیوں کا احوال لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ "اس فرقہ کا بانی مسیح تھا جو ٹائیبر ئیس کے عہد میں پیلاطوس سے مجرم کے طور پر قتل کیا گیا"۔ یہودی مورخ بھی یہی کہتے ہیں۔ یوسیفس کا ذکر سنایا گیا تھا اب صرف ایک یہودی عالم کا ذکر کیا جاتا ہے جو دوسری صدی میں ہوا۔ یہ یہودی عالم بنام ٹرائفو دین مسیحی کو اس کے بانی کے مصلوب ہونے کے سبب بڑی تحقیر سے بیان کرتا ہے اور اس کے معتقدوں کو ایک مصلوب شدہ شخص پر اپنی امید قائم کرنے کی نسبت ہنسی کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ "وہ شخص جسے تم مسیح کہتے ہو اس نے سب سے ہیچ بے عزتی اٹھائی کیونکہ وہ مصلوب ہوا" اور پھر کہتا ہے کہ "شریعت میں لکھا ہے کہ ہر ایک جو صلیب پر لٹکایا گیا لعنتی ہے"۔ اس یہودی کی تحقیر آمیز باتوں کا جسٹن شہید نے دوسری صدی میں جواب دیا تھا (ہارن)۔ پس بہر صورت ثابت ہے کہ مسیح کا مصلوب ہونا اور زندہ ہونا واقعی امر ہیں اور ان سے انکار کرنا صداقت سے انکار کرنا اور حق کے دشمن ٹھہرنا ہے۔

1 Eusebius
2 Justin Martyr
3 Tertullian
4 Acts of Pilate
5 Tacitus

معلوم ہوتا ہے کہ کسی صاحب نے محمد صاحب کے کہے کو سچ ٹھہرانے کی خاطر یہ باتیں لکھی ہیں۔ چنانچہ اخیر میں اس کہے کو بھی لکھا ہے وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِن شُبِّهَ۔ مگر حضرت نے توشمعون قرینی کانام نہیں دیا۔ صرف بدعتیوں کے خیالی فلسفہ کو سن کرنا سمجھے یوں ہی لکھ دیاہے اور انجیل برنباس سے بھی کچھ صلاح لی۔ پس بعض بدعتیوں کے اختلاف رائے پر یعنی مسیح کے حقیقی جسم اور دکھ اٹھانے کی نسبت آپ نے بھی قرآن میں فیصلہ دے دیا کہ نہ اس کو مارا ہے، نہ سولی پر چڑھایا و لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں کتنی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبے میں ہیں، کچھ نہیں ان کو اس کی خبر، مگر اٹکل پر چلنا اور اس کو مارا نہیں بے شک۔ اے ناظرین اس سے بڑھ کر ناواقفی اور کیا ہو سکتی ہے؟ وہ جو یوحنا کے بپتسمہ سے لے کے اس دن تک کہ وہ (مسیح) اوپر اٹھایا گیا اس کے جی اٹھنے کے گواہ تھے۔ ہاں وہ جنہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تاک رکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا گواہی دیتے ہیں کہ یہود نے اسے پکڑا اور بے دینوں کے ہاتھ سے کیلیں گڑوا کے قتل کیا۔ غیروں کی گواہی اس امر میں ہمارے نزدیک اور سب کے نزدیک اس گواہی کے حضور بالکل پوچ (حقیر۔ لغو) ہے۔ پھر کجا بدعتیوں کا خیالی فلسفہ جس کو حقیقتوں سے نسبت ہی نہیں۔ کیا قرآن کی صداقت کے یہ ہی گواہ ہیں۔ مگر ان کی گواہی جو صرف خیالی خیال ہیں قرآن کے لئے مفید نہیں۔ ان بدعتیوں نے عیسیٰ کے مصلوب ہونے سے انکار نہیں کیا، جیسا مذکور ہوا۔ پس کہو قرآن کا کہنا اس بات سے بھی جھوٹ ٹھہرایا نہ ٹھہرا؟ کون اٹکل پر چلا؟ اور کون بے خبر ٹھہرا؟ قرآن کی عدم ضرورت کے لیے یہی ایک بات کفایت کرتی ہے۔ خوب سوچ کے دیکھ لو۔

بایں ہمہ واضح رہے کہ وہ بیانات قرآنی جو کتب مقدسہ کے موافق ہیں ان کے لیے بھی قرآن کی ضرورت نہ تھی۔ اگر کہا جائے کہ ان قدیم واقعات کی شہادت کے لیے قرآن آیا تو یاد رہے کہ یہ شہادت بسبب اس قدر جدید ہونے کے کچھ شہادت نہیں ہے اور حضرت کی غرض بھی کچھ شہادت سے ایسی نہ تھی جیسی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن انہوں نے ان کتب اقدم کے بیانات سے صرف اپنی رسالت مدنظر رکھی تھی، یعنی ان کو سچا کہہ کر آپ بھی ہر قول و فعل میں سچے بنتے ہیں اور اس حال میں فائیلو[1] اور یوسیفس[2] اور جس قدر بیان ہراڈٹس[3] اور منی تہو مصری نے کیا ہے اور جس قدر اناجیل جعلی اور ٹائیٹس (ططس) وغیرہ میں ہے قرآن کی نسبت زیادہ تر معتبر ہے اور قرآن نہ صرف ان واقعات سے دور ہونے بلکہ غلط آمیزیوں کے سبب سے اور بھی کم قدر ہوتا ہے۔ غرض کہ قرآن کی گواہی بھی کوئی پختہ گواہی نہ گردانی جائے گی۔

یہ سب ماجرا دیکھ کر اب ناظرین غور فرمادیں کہ محمدی کیوں کہا کرتے ہیں کہ انجیل مروجہ اصلی انجیل نہیں۔ ایسا کہے بنا بنتی بھی تو نہیں کیونکہ قرآن میں تو اور ہی ذریعوں سے روایتیں درج کی گئی ہیں اور ان کے لحاظ سے انجیل پر طعن کیا جاتا ہے۔ پھر جو جو باتیں ہم نے اس سلسلہ میں تحریر کی ہیں ان سے محمدیوں کا دعویٰ نسخ سراسر رد ہوتا ہے، یعنی ان امور کی وسعت میں نسخ وغیرہ کا بالکل دخل نہیں ہے۔ یاد رہے کہ ان امور کی قید ہم نے قرآن کے سبب سے لگائی ہے؟ امور پیش شدہ میں سے کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن نے منسوخ کی ہو یا کہ انہیں کو یا مثل ان کے محمد صاحب نے قرآن میں درج کیا ہے تو وہ منسوخ کیونکر کہی جا سکتی ہیں اور واقعات تو کبھی منسوخ ہو ہی نہیں سکتے، خواہ وہ جن کی نقل قرآن میں

[1] Philo
[2] Josephus
[3] Herodotus

ہوئی ہے خواہ جن کی نہیں ہوئی۔ اس لیے قرآن کی روسے بائبل کی کوئی بات منسوخ نہیں ٹھہرتی اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ان امور میں تحریف بھی نہیں ہوئی، کیونکہ قرآن میں ان کی نقل آئی ہے اور وہ جو بسبب مخالفت کے نئی معلوم ہوتی ہیں اور شاید ازاں موجب نسخ یا تحریف کا رغم (نفرت۔اختلاف) ہو تو یاد رہے کہ ہم نے ان مخالف اور نئی باتوں کا مبدا بتادیا ہے جس سے قصور قرآن میں ثابت ہوتا ہے، نہ کہ بائبل میں۔ اس لیے قرآن کو فضول جاننا ایک اعلیٰ صداقت کو ماننا ہے۔اے محمدی برادران ضد کرنے میں کچھ نفع نہیں اور دیر کرنے میں نقصان ہے ۔اس لیے آؤ ہم سب کے سب خدا کے کلام بائبل کی ہدایت قبول کریں۔خدا کرے کہ ہم نوشتوں میں ڈھونڈیں اور ان کی سوچ میں لگے رہیں۔ آمین۔

فصل ششم

عدم ضرورت قرآن

ازروئے امور متعلقہ آئندہ

آیندہ ایک ایسی حالت ہے کہ انسان بہ ہدایت محض مجرد عقل کے جو خیال چاہیئے کر سکتا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اس حال میں اختلاف ہونا کچھ عجب نہیں کیونکہ آیندہ کی نسبت کسی قسم کا خیال قائم کرنے کے لیے کوئی یقینی امر یا بنیاد نہیں ہے۔ یہ کارروائی اپنی اپنی عمیق بینی پر موقوف ہے۔ کسی نے آیندہ کی نسبت یوں کہا اور کسی نے ووں کہہ دیا۔ چنانچہ بعضوں نے یہ سمجھ چھوڑا کہ موت کے بعد خدا میں ایک ہوجائیں گے کیونکہ ہر شے کی موجودہ حالت خدائی حالت کا صرف جداگانہ ظہور ہے اور جب موت اس جدائی کو دور کرتی ہے تو سب اس خدا میں مل کر ایک ہوجاتے ہیں۔ بعضوں کو آیندہ کی نسبت شک رہا، بعضوں نے صاف انکار کیا اور بعض نے آیندہ میں اس فانی دنیا کی عیش وعشرت کو کسی قدر بدل کر روا رکھا۔ بعضوں نے اس فانی عیش کو متروک کرکے آیندہ زندگی کے لیے روحانی خوشی اور بزرگی کو قائم کیا۔ چونکہ اس سلسلہ میں ہماری غرض یہ نہیں کہ ہر ملت اور ہر فیلسوف کے خیالات کا مقابلہ کریں یا اتفاق ہی ظاہر کریں۔ لہٰذا ہم بائبل مقدس اور قرآن مجید ہی کے بیان کے موافق اظہار کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ بائبل مقدس میں کیا تعلیم ہے اور قرآن کیا سکھاتا ہے۔ آیا بائبل مقدس کی تعلیم سے کچھ بڑھ کر عمدہ تعلیم دیتا ہے یا فضول ہے۔

زندگی اور بقا[1]	
بائبل مقدس	**قرآن مجید**
"جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور رُوح کو قتل نہیں کر سکتے اُن سے نہ ڈرو بلکہ اُسی سے ڈرو جو رُوح اور بدن کو جہنّم میں ہلاک کر سکتا ہے" (متی ۱۰:۲۸)۔ "مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جو میرا کلام سُنتا اور میرے بھیجنے والے کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زِندگی اُس کی ہے اور اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا بلکہ وہ مَوت سے نِکل کر زندگی میں داخِل ہو گیا ہے"(یوحنا۵:۲۴)۔ "اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے مگر راستباز ہمیشہ کی زِندگی"(متی ۲۵:۴۶)۔ "کیونکہ ضرُور ہے کہ یہ فانی جِسم بقا کا جامہ پہنے اور یہ مرنے والا جِسم حیاتِ ابدی کا جامہ پہنے"(۱۔کرنتھیوں ۱۵:۵۳)۔ "مگر اب ہمارے منجی مسیح یِسُوع کے ظہُور سے ظاہِر ہُوا جِس نے مَوت کو نیست اور زِندگی اور بقا کو اُس خُوشخبری(انجیل) کے وسیلہ سے روشن کر دِیا" (۲۔تیمتھیس ۱:۱۰)۔	میں نہیں کہہ سکتا کہ روح اور اس کی بقا کی نسبت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا کیا خیال تھا۔ قرآن سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہے(بنی اسرائیل رکوع ۱۰)۔
قیامت	
"مگر مُردوں کے جی اُٹھنے کی بابت جو خُدا نے تمہیں فرمایا تھا کیا تُم نے وہ نہیں پڑھا کہ۔ مَیں ابرہام کا خُدا اور اِضحاق کا خُدا اور یعقوب کا خُدا ہُوں؟ وہ تو مُردوں کا خُدا نہیں بلکہ زِندوں کا ہے"(متی ۲۲:۳۱،۳۲)۔ "اِس سے تعجب نہ کرو کیونکہ وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں اُس کی آواز سُن کر نکلیں گے۔ جنہوں نے نیکی کی ہے زِندگی کی قیامت کے واسطے اور جنہوں نے بدی کی ہے سزا کی قیامت کے واسطے"(یوحنا۵:۲۸،۲۹)۔ "مُردوں کی قِیامت بھی ایسی ہی ہے۔ جسم فنا کی حالت میں بویا جاتا ہے اور بقا کی حالت میں جی اُٹھتا ہے۔ بے حُرمتی کی حالت میں بویا جاتا ہے اور جلال کی	سورہ طٰہٰ رکوع ۱ آیت ۱۵ "قیامت مقرر آنی ہے۔ میں ہوں چھپا رکھتا اس کو"۔ سورہ مریم رکوع ۵ "اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر گیا پھر نکلوں گا جی کر؟ کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا؟" مزید دیکھو سورہ حج رکوع ۱ آیت ۷۔ ان باتوں سے جو انجیل یعنی عیسویت سے لے کر قرآن میں درج ہوئیں یہ ایک ہے۔ یہود بھی اس تعلیم قیامت کے قائل تھے۔ اس کا چرچا یہود اور مسیحیوں میں بہت اور عام تھا اور ایسے لوگوں کی سنگت میں رہ کر یہ تعلیم سیکھ لینا محمد صاحب کے لیے مشکل نہ تھا۔ غرض کہ یہ بات

1۔ اس کے ساتھ وہ بیان دیکھنا چاہیئے جو تمہید میں گزر چکا ہے اور جس سے ظاہر ہے کہ روح اور اس کے لوازمات مثل قیامت وغیرہ بائبل مقدس سے مسلم الثبوت ہو کر رائج ہو رہے تھے اور قرآن مجید میں بھی اس مسلم امر کو درج کیا ہے۔

حالت میں جی اُٹھتا ہے۔ کمزوری کی حالت میں بویا جاتا ہے اور قُوت کی حالت میں جی اُٹھتا ہے۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۴۲، ۴۳) ۔ دیکھو ا۔ تھسل ۴: ۱۲۔ ۱۷ " تاکہ باہر والوں کے ساتھ شائستگی سے برتاؤ کرو اور کسی چیز کے مُحتاج نہ ہو۔ اَے بھائیو! ہم نہیں چاہتے کہ جو سوتے ہیں اُن کی بابت تُم ناواقِف رہو تاکہ اَوروں کی مانند جو نااُمّید ہیں غم نہ کرو۔ کیونکہ جب ہمیں یہ یقین ہے کہ یِسُوع مر گیا اور جی اُٹھا تو اُسی طرح خُدا اُن کو بھی جو سو گئے ہیں یِسُوع کے وسیلہ سے اُسی کے ساتھ لے آئے گا۔ چنانچہ ہم تُم سے خُداوند کے کلام کے مُطابِق کہتے ہیں کہ ہم جو زِندہ ہیں اور خُداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے۔ کیونکہ خُداوند خُود آسمان سے للکار اور مُقرّب فرِشتہ کی آواز اور خُدا کے نرسنگے کے ساتھ اُتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں مُوئے جی اُٹھیں گے۔ پھر ہم جو زِندہ باقی ہوں گے اُن کے ساتھ بادلوں پر اُٹھائے جائیں گے تاکہ ہوا میں خُداوند کا اِستقبال کریں اور اِس طرح ہمیشہ خُداوند کے ساتھ رہیں گے"۔ بائبل مقدس کے اس بیان قیامت میں کوئی بات جو اس زندگی میں ہمارے جاننے کے لیے ضروری ہے نہیں چھوڑی ہے۔ ہاں جس قدر ہم قیامت کی بابت بن دیکھے ذہن میں لاسکتے ہیں، وہ سب ہے۔	بائبل میں واضح طور سے مندرج تھی اور قرآن میں یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ کوئی بڑھ کر عمدہ بیان ہے۔ اس لئے اس امر کے اظہار کی خاطر قرآن کی مطلق ضرورت نہ تھی۔
عدالت	
" اور مَیں تُم سے کہتا ہُوں کہ جو نِکمّی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دِن اُس کا حِساب دینگے "(متی ۱۲: ۳۶) اور دیکھو متی ۲۵: ۳۱ سے آخر باب تک اور ۲۔کرنتھیوں ۵: ۱۔ "۔۔۔ جب خُداوند یِسُوع اپنے قوی فرِشتوں کے ساتھ بھڑکتی ہُوئی آگ میں آسمان سے ظاہِر ہو گا۔ اور جو خُدا کو نہیں پہچانتے اور ہمارے خُداوند یِسُوع کی خُوشخبری کو نہیں مانتے اُن سے بدلہ لے گا۔ وہ خُداوند کے چہرہ اور اُس کی قُدرت کے جلال سے دُور ہو کر ابدی ہلاکت کی سزا پائیں گے۔ یہ اُس دِن ہو گا جب کہ وہ اپنے مُقدّسوں میں جلال پانے اور سب اِیمان لانے والوں کے سبب سے تعجب کا باعث ہونے کے	سورہ بقر رکوع ۳۸ آیت ۲۸۱ " اور ڈرتے رہو اس دن سے جس دن میں الٹے جاؤ گے اللہ کے پاس۔ پھر پورا ملے گا شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔ سورہ نحل رکوع ۱۵ " جس دن آئے گا ہر جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا اور دیکھو سورہ کہف رکوع ۶۔

لئے آئے گا کیونکہ تُم ہماری گواہی پر اِیمان لائے"(۲۔ تھسل ۱:۷۔۱۰)۔ پھر دیکھو مکاشفہ ۲۰:۱۲۔۱۵۔	
بہشت اور اس کی خوشی	
"آیندہ کے لئے میرے واسطے راستبازی کا وہ تاج رکھّا ہُوُا ہے جو عادِل مُنصف یعنی خُداوند مُجھے اُس دِن دے گا اور صِرف مُجھے ہی نہیں بلکہ اُن سب کو بھی جو اُس کے ظہُور کے آرزُو مند ہوں"(۲۔ تیمتھیس ۸:۴)۔ "ہمارے خُداوند یِسُوع مسیح کے خُدا اور باپ کی حمد ہو جِس نے یِسُوع مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے باعث اپنی بڑی رحمت سے ہمیں زندہ اُمّید کے لئے نئے سِرے سے پَیدا کیا۔ تاکہ ایک غَیر فانی اور بے داغ اور لازوال مِیراث کو حاصِل کریں۔ وہ تُمہارے واسطے جو خُدا کی قُدرت سے اِیمان کے وسیلہ سے اُس نجات کے لئے جو آخِری وقت میں ظاہِر ہونے کو تیّار ہے حِفاظت کئے جاتے ہو آسمان پر محفُوظ ہے۔ (۱۔ پطرس ۱:۳۔۵)۔ "لیکن اُس کے وعدہ کے مُوافق ہم نئے آسما ن اور نئی زمین کا اِنتظار کرتے ہیں جِن میں راستبازی بسی رہے گی" (۲۔ پطرس ۳:۱۳)اور بھی دیکھو یعقوب ۱:۱۲ ان آیات سے ایمانداروں کی آیندہ عزت اور بزرگی کی شناخت معلوم ہوتی ہے۔ پھر دیکھو مکاشفہ ۷:۱۵،۱۶،۱۷"اِسی سبب سے یہ خُدا کے تخت کے سامنے ہیں اور اُس کے مَقدِس میں رات دِن اُس کی عِبادت کرتے ہیں اور جو تخت پر بیٹھا ہے وہ اپنا خیمہ اُن کے اُوپر تانے گا۔ اِس کے بعد نہ کبھی اُن کو بُھوک لگے گی نہ پیاس اور نہ کبھی اُن کو دُھوپ ستائے گی نہ گرمی۔ کیوں کہ جو برّہ تخت کے بیچ میں ہے وہ اُن کی گلہ بانی کرے گا اور اُنہیں آبِ حیات کے چشموں کے پاس لے جائے گا اور خُدا اُن کی آنکھوں کے سب آنسو پونچھ دے گا"۔ اس کے موافق دیکھو باب ۲۱:۱،۲ یہ ایمانداروں کی خوشی اور پاک شغل کا بیان ہے۔ جسمانی خواہش رہے گی ہی نہیں۔ "کیونکہ قِیامت میں بیاہ شادی نہ ہو گی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانِند ہوں گے" (متی ۲۲:۳۰)۔ پھر مکاشفہ ۲۲:۳۔۵"اور پھر لعنت نہ ہو گی اور خُدا اور برّہ کا تخت اُس شہر میں ہو گا اور اُس کے بندے اُس کی عِبادت	سورہ ص رکوع ۴ آیت ۴۹۔۵۳"یہ ایک مذکور ہو چکا اور تحقیق ڈر والوں کو ہے اچھا ٹھکانا باغ میں بسنے کے کھول رکھے ان کے واسطے دروازے تکیہ لگائے بیٹھے ان میں منگواتے ہیں میوہ بہت اور شراب ۔ اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی یہ وہ ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے حساب کے دن"۔ دیکھو سورہ حج رکوع ۳۔ پھر سورہ صافات رکوع ۲ آیت ۳۹۔۴۷"مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے جو ہیں ان کو روزی ہے مقرر میوے اور ان کی عزت ہے باغوں میں نعمت کے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے لوگ لیے پھرتے ہیں ان کے پاس پیالہ شراب طھورہ کا۔ سفید رنگ مزہ دیتی پینے والوں کو نہ اس میں سر پھرتا ہے اور نہ اس سے بہکتے ہیں اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھتیاں بڑی آنکھوں والیاں گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے "۔ اور بھی دیکھو سورہ کہف رکوع ۴ آیت ۳۰"ان کے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پہناتے ہیں ان کو وہاں کچھ کنگن سونے کے اور پہنتے ہیں کپڑے سبز پتلے اور گاڑھے ریشم کے لگے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر۔ کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام۔ سبحان اللہ! کیا خوب!!۔

کریں گے۔ اور وہ اُس کا مُنہ دیکھیں گے اور اُس کا نام اُن کے ماتھوں پر لکھا ہُوَا ہو گا۔ اور پھر رات نہ ہو گی اور وہ چراغ اور سُورج کی روشنی کے مُحتاج نہ ہوں گے کیونکہ خُداوند خُدا اُن کو روشن کرے گا اور وہ ابدُالآباد بادشاہی کریں گے۔"۔	

یہ ان ایمانداروں کی خوش وقتی اور نیک بختی کا بیان ہے۔ اس مقابلہ سے ظاہر ہے کہ بائبل اور قرآن کی بہشت میں صریح ناموافقت ہے۔ ایک روحانی دوسرا نفسانی ہے یعنی ایک میں روحانی خوشی اور دوسرے میں نفسانی خوشی ہے۔ ایک میں ایمانداروں کے پاک شغل یعنی خداوند کی بندگی میں لگے رہنا اور دوسرے میں اس کے عوض شراب اور عورتوں کے شغل میں مشغول رہنا شامل ہے۔ ایک میں شادی بیاہ، کھانا پینا وغیرہ نہیں ہے اور دوسرے میں یہ باتیں ہیں۔ بہشت قرآنی کی نسبت ہم کیا کہیں، اوروں نے جو مناسب تھا اس امر میں اہل اسلام کی تنبیہ اور ہدایت کے لیے لکھا ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ محمد صاحب نے یہ بیان پایا کہاں سے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ مثلِ اَذرا کثر باتوں کے اس بات میں بھی یہودی ہی ان کے استاد ہیں اور کسی قدر فارسی بھی۔ چنانچہ یہودیوں کی طالمود میں یہ بیان پایا جاتا ہے کہ:

" قیامت کے بعد انسان کوئی کام نہیں کرتے اور جسمی تھکاوٹ یاماندگی نہیں ہوتی۔ ان کے مکان قیمتی پتھروں کے ہوں گے اور ان کے بستر ریشم کے اور شراب او رعطر کی نہریں ہوں گی"(دیکھو انتخاب طالمود صفحہ ۳۲ مولف ڈاکٹر جوسف بارکلے)۔

سیل صاحب بھی دیباچہ ترجمہ قرآن کے صفحہ ۷۲ میں لکھتے ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ:

" ایمانداروں کے لیے ایک لذیذ باغ ہے جو ساتویں آسمان تک پہنچتا ہے۔ اس کے تین دروازے ہیں اور چار نہریں ہیں جو دودھ، مے اور بلسام سے بہتی ہیں"۔

پس اس سے ظاہر ہے کہ قرآن میں طالمودی بہشت کا اظہار کیا گیا ہے جس میں فارسیوں کی بھی بہشت کی لاگ لگی ہے۔ اگر ان کے بہشت میں نفسانیت کی کچھ کسر تھی تو وہ محمد صاحب نے پوری کر دی ہے۔ اس کے متعلق ایک اور بات ہے جس کا ذکر اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے یعنی اگر کہا جائے کہ بیان بہشت قرآنی استعارہ کے طور پر ہوا ہے تو اس حال میں لازم ہے کہ استعارہ قرآن سے ثابت کیا جائے، کیونکہ وہ سب مقامات جن میں بہشت اور اس کے عیش کا ذکر آیا ہے کسی میں اس کو استعارہ کے طور پر بیان کرنے کا اشارہ بھی نہیں ہے۔ برخلاف اس کے بار بار کہا ہے کہ یہ ایمان والوں کا بدلہ ہے۔ کیا خوب آرام ہے۔ کہیں تو کہہ دیا ہوتا کہ یہ آسمانی خوشیوں کی زمینی مثال ہے۔ قریباً اٹھائیس مقام ہیں جن میں بہشت کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے کسی میں استعارہ کی بو تک نہیں ہے۔ بجائے استعارہ کے تاکیداً لکھا ہے کہ " وہی بہشت ہے جو میراث

پائی تم نے بدلے ان کاموں کے جو کرتے تھے"(سورہ زخرف رکوع ۷ آیت ۷۲)اور کہ "یہی ہے مراد ملنی بڑی"(سورہ توبہ آیت ۳۷ رکوع ۹) اور پھر یہ کہ "احوال اس بہشت کا جو وعدہ ہے ڈروالوں کو"(سورہ محمد آیت ۶)۔اس بہشت کی نعمتوں کو اور کی طرح بیان کرنا یا نہ ماننا گویا خدا کی نعمتوں کو جھٹلانا ہے، دیکھو سورہ رحمان رکوع ۳ کل۔

دوزخ	
"اور اگر تیرا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُسے کاٹ ڈال۔ ٹنڈا ہو کر زِندگی میں داخِل ہونا تیرے لئے اِس سے بہتر ہے کہ دو ہاتھ ہوتے جہنّم کے بیچ اُس آگ میں جائے جو کبھی بجھنے کی نہیں۔ جہاں اُن کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی"(مرقس ۹: ۴۳، ۴۴)اور دیکھو لوقا ۱۶: ۲۳۔۲۸ تک۔"جو اُس پر ایمان لاتا ہے اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا۔ جو اُس پر اِیمان نہیں لاتا اُس پر سزا کا حکم ہو چُکا۔ اِس لئے کہ وہ خُدا کے اِکلَوتے بیٹے کے نام پر اِیمان نہیں لایا"(یوحنا ۳: ۱۸)۔"پھر وہ بائیں طرف والوں سے کہے گا اَے ملعُونو میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ جو اِبلیس اور اُس کے فرشتوں کے لئے تیّار کی گئی ہے"(متی ۲۵: ۴۱)۔"مگر بزُدِلوں اور بے اِیمانوں اور گھنونے لوگوں اور خُونِیوں اور حرامکاروں اور جادُوگروں اور بُت پرستوں اور سب جُھوٹوں کا حِصّہ آگ اور گندھک سے جلنے والی جھیل میں ہو گا۔ یہ دُوسری مَوت ہے۔ (مکاشفہ ۲۱: ۸)۔	سورہ نسار کوع ۴۲ آیت ۵۳"اور دوزخ بس ہے جلتی آگ"۔ سورہ کہف رکوع ۴ آیت ۲۰ "ہم نے رکھی ہے گناہ گاروں کے واسطے آگ جو گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے منہ کو۔ کیا برا پینا ہے اور کیا برا آرام"۔ سورہ جن رکوع ۲ "اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اسکے رسول کا سو اس کے لیے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اس میں ہمیشہ" ۔سورہ یونس رکوع ۵ آیت ۵۳ "پھر کہیں گے گناہ گاروں کو چکھو عذاب ہمیشگی کا وہی بدلہ پاتے ہیں ہو جو کچھ کماتے تھے"۔ پھر سورہ حجر رکوع ۳ آیت ۴۳، ۴۴ "اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا اس کے سات دروازے ہیں ۔ ہر دروازہ کو ان میں ایک فرقہ بٹ رہا ہے"۔

پس ظاہر ہے کہ اس تعلیم کے لیے بھی قرآن کی ضرورت نہ تھی۔ قرآن میں اوروں کی پرانی رائج باتوں کا بھی اندراج ہے وقوع میں آیا ہے۔ چنانچہ سیل صاحب دیباچہ قرآن فصل ۴ میں لکھتے ہیں کہ:

> "یہ قصہ دوزخ کے خانوں اور دوزخیوں کا محمد صاحب نے یہودیوں سے لیا ہے اور بعض باتیں مے جاؤں سے۔ یہ دونوں قومیں دوزخ میں علیٰحدہ خانے قائم کرتی ہیں اور یہودیوں کے خیال میں ان دوزخی خانوں میں سے ہر ایک پر ایک نگہبان فرشتہ رہتا ہے اور کہ شریر مختلف قسم کی سزائیں اٹھائیں گے اور وہ نہایت سردی اور سخت گرمی سے ہو گی۔ان کے چہرے

سیاہ ہو جائیں گے اور کہ ان کے ہم مذہب یعنی یہودی بھی دوزخ میں سزا پائیں گے۔ لیکن جب ان کا باپ ابراہیم انہیں ان کے گناہوں سے صاف کرے گا تو وہ جلد وہاں سے رہائی پائیں گے"۔

یاد رہے کہ سوائے ان باتوں کے جو قرآن میں بائبل مقدس، احادیث یہود، قصص فارسیان اور کتب جعلی سے لی گئی ہیں اور روایتیں ہیں جو ان لوگوں کی روایتوں سے نکالی گئی ہیں اور یہ بات پہلی بات کو قائم کرتی ہیں کہ محمد صاحب نے چنے چنائے اور سنے سنائے بیان قرآن میں درج کیے۔ چنانچہ ہم ایک روایت کا مثالاً ذکر سنائے دیتے ہیں۔ بہت اس لیے نہیں کہ ہماری غرض روایتوں کی روایت سے نہیں ہے۔ قبر میں مردو ں کی آزمائش کی بابت محمدیوں کا یہ روایتی قصہ ہے کہ:

جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو دو فرشتے سیاہ رنگ اور ڈراوٴنی شکل کے بنام منکر نکیر (وہ دو فرشتے جو قبر میں مردے سے سوال کرتے ہیں) اس کے پاس آجاتے ہیں۔ یہ دونوں مردہ کو حکم دیتے ہیں کہ سیدھا بیٹھ اور پھر اس کے ایمان کی آزمائش کرتے ہیں۔ اگر وہ ٹھیک جواب دے تو اس کو آرام سے پڑا رہنے دیتے ہیں اور وہ بہشت کی آب وہوا سے تروتازہ کیا جاتا ہے ،اگر نہیں تو لوہے کے لٹھ سے اس کی کنپٹیوں پر مارتے ہیں اور وہ ایسی آواز سے چلاتا ہے کہ مشرق سے مغرب تک سوائے آدمی اور جنات کے اور سب کو سنائی دیتا ہے۔ تب وہ لاش پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور قیامت تک ننانوے اژدہے اس کو ڈنک مارا کرتے ہیں اور ایک ایک اژدہے کے سات سات سر ہیں۔

فرشتوں کی مار کا قرآن میں بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھو سورہ انفال رکوع ۷ آیت ۵۲ "اور کبھی تو دیکھے جس وقت جان لیتے ہیں فرشتے کافروں کی، مارتے ہیں ان کے منہ پر اور پیچھے اور چکھو عذاب جلنے کا"۔ پھر سورہ محمد آیت ۲۹ رکوع ۳ "پھر کیسا ہوگا جبکہ فرشتے جان لیں گے ان کی مارتے جاتے ہیں ان کے منہ پر اور پیٹھ پر"۔ سیل صاحب (مترجم قرآن انگریزی) لکھتے ہیں کہ:

یہ قصہ یہودیوں سے لیا ہے جس میں یہ باتیں قدیم سے مانی جاتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ موت کا فرشتہ آکر قبر پر بیٹھتا ہے تو روح فوراً جسم میں داخل ہوتی ہے اور اس کو پاؤں پر کھڑا کرتی ہے۔ تب وہ اس کو آزماتا ہے اور ایک زنجیر سے جو آدھی لوہے اور آدھی آگ کی ہے اسے مارتا ہے۔ پہلے اور دوسرے صدمہ سے ہڈیاں ادھر ادھر گر جاتی ہیں اور تیسرا صدمہ جسم کو خاک کر دیتا ہے اور پھر وہ قبر میں پڑا رہتا ہے" (ترجمہ قرآن دیباچہ صفحہ ۵۵ فصل ۴)۔

اس بیان سے بھی ظاہر ہے کہ نہ صرف قرآن ہی فضول ہے بلکہ حدیثوں کا بھی یہی حال ہے۔ دیکھئے ناظرین جن لوگوں کو اپنی طرف سے ہدایت کرنے آئے انہی سے سیکھ کر انہیں کو سکھانے لگے۔ بے شک ایسے معلم اور ایسی تعلیم کی ہرگز ضرورت نہ تھی جس میں اور لوگوں کی تعلیموں اور بیانوں کا صرف انتخابی مجموعہ اور جس حال کہ قرآن کی عدم ضرورت ایسی مصرح ہے تو بائبل جو اصلی قدیمی اور الہامی کتاب ہے کیوں نہ مانیں۔ اے برادران اہل اسلام اس کم ترین کی عرض کا خیال رکھنا، حق تعالیٰ آپ سبھوں کو حق پر لائے۔

فصل ہفتم

ضرورت انجیل مقدسہ اور عدم ضرورت قرآن کی توضیح

منشور محمدی مطبوعہ ۲۵ ماہ ذوالحجہ ۹۷ ہجری نمبر ۳۶ میں ہمارے مولانا صاحب نے نمبر ٦ تک ضرورت قرآن کے بارے میں اور بھی شوق دکھایا ہے۔ مگر دراصل کسی میں قرآن کی ضرورت ثابت نہ کی۔ صرف ادھر ادھر کی باتیں کر کرا کے عنوان میں ضرورت قرآن لکھ دیا ہے جن میں سے پرچہ ہٰذا کے نمبر ۵،٦ کا جو ہم نے پیشی میں رکھے ہیں جواب لکھا جاتاہے اور یہ اس لیے نہیں کہ ان سے قرآن کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس لیے کہ انجیل مقدس کو بھی عدم ضرورت قرآنی میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے اور آپ نے اس بات کو زور دے کے لکھا ہے۔ لہٰذا ہم ان باتوں کو ناظرین کے سامنے رکھ کر جواب دیں گے۔

وَہُوَ ہٰذا

(اور وہ یوں ہے)

قَولُہ۔ پہلے ہم پادری صاحب سے سوالیہ دریافت کرتے ہیں کہ جب بقول جناب کے (اور دراصل بھی یوں ہی ہے) عہد عتیق میں ہر ایک قانون اور تعلیم الخصوص تعلیم توحید ایک زور اور کثرت سے موجود تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کس اصول اور مقصد کے ارواج اور پورا کرنے کے واسطے دی گئی تھی (قرآن کی پھر بھی گنجائش نہیں اس کی ضرورت اور بھی کہیں دور جا پڑی۔ کیا اس بات کا خیال نہ آیا کہ قرآن انجیل سے زیادہ فضول ٹھہرا)۔ وہ کون سا اصول اور مقصد تھا جو بائبل مقدس یعنی عہد عتیق میں مندرج ہونے سے رہ گیا اور اس کو انجیل نے پورا کیا۔۔۔ اناجیل میں جس قدر اخلاقی اصول بیان ہوئے ہیں وہ سب بہ ہیئت مجموعی توریت میں پائے جاتے ہیں۔ ساری توریت اور صحف عتیقہ نہ دیکھو صرف امثال کی کتاب کو ہی غور سے دیکھئے پھر معلوم ہو جائے گا کہ انجیل کو سارے عہد عتیق سے کیا نسبت ہے۔ (اس حال میں تو قرآن کی ضرورت ثابت کرنا سراسر عبث ہے۔ اس کو ترک کرنے ہی میں مصلحت ہے۔)

واضح ہو کہ انجیل ان ہی اصولوں کا اظہار کرنے سے جو عہد عتیق میں مندرج ہیں فضول نہیں ٹھہرتی کیونکہ ان کی نہ صرف تائید کرتی بلکہ اکثر باتوں کو ایسی تشریح کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ جس کے بغیر وہ ایک مقید اور ناتمام صورت رکھتی ہیں اور انجیل اس طور کا بیان کر کے خود ہی ظاہر کرتی ہے کہ اس میں اور توریت اور انبیا میں ایک نسبت ہے۔ توریت ہی کی بنا پر اتمامی (اتمام۔ تمام کرنا، تکمیل) تعلقات پڑھائے ہیں حتیٰ کہ عہد عتیق اور جدید ایک ہی سلسلہ کے دو جزو ٹھہرتے ہیں۔ ہر دو میں ایسی نسبت ہے جیسی کسی چیز کے شروع اور انجام میں ہوتی ہے۔ اس حال

میں انجیل کی عدم ضرورت کا خیال دل میں لانا اشارۃً یا اور لفظوں میں یہ کہنا ہے کہ کتب عہد عتیق میں صراحتاً غلط ہیں کیونکہ ان میں بہت کچھ کہا گیا ہے جو کبھی پورا نہیں ہوا۔ ہاں انجیل کو برطرف کریں تو جھوٹ اور بے ہودگی میں عہد عتیق کے برابر کوئی اور کتاب نہ ٹھہرے گی۔ پس توضیح امر ہٰذا کے لئے ہم مسیح کے اس قول کو پیش نظر رکھیں گے یعنی"یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسُوخ کرنے آیا ہُوں۔ منسُوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہُوں" (متی ۵:۱۷) ۔ باوجود موجودگی عہد عتیقہ کے یہی ایک قول انجیل کی ضرورت کے لیے مکتفی ہے۔ اس لئے کہ اگر نبوت کی صداقت کے لئے اس واقع کی ضرورت ہے جس کی وہ خبر ہے اور اگر کسی امر کی ناتمامی اپنے اتمام کی محتاج ہے تو توریت اور صحف انبیائے سابقین کے لیے انجیل کی ضرورت ہے۔ عہد عتیق میں ایک شخص عظیم کی آمد آمد رنگ رہی ہے۔ اس کے کام، کلام، نام اور اوصاف بھی پیشتر ہی مشتہر ہو چکے تھے۔ اس حال میں اگر وہ مرد ممسوح ظاہر نہ ہوتا تو اس بیان سابقہ کی کیا نوبت ہوتی۔ اس لئے خداوند یسوع مسیح نے فرمایا کہ میں توریت اور نبیوں کی کتابیں پوری کرنے کو آیا ہوں"۔۔۔ ضرُور ہے کہ جِتنی باتیں مُوسیٰ کی توریت اور نبیوں کے صحیفوں اور زبُور میں میری بابت لکھی ہیں پُوری ہوں" (لوقا ۲۴:۴۴) اور یہ تکمیل مسیح یسوع نے بہر صورت مطلوبہ کر دکھائی۔

پس **اول** مقاصد اخلاقیہ کی بابت واضح ہو کہ وہ بدیہی صداقتیں ہیں، مگر انسان ان سے غافل رہ سکتا ہے اور ان کے برخلاف یا عوض میں جھوٹی باتیں کھڑی کرکے ان کے علم و تعمیل سے برگشتہ ہو سکتا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ جب ایسا ہی وقوع میں آچکا تو حق تعالیٰ نے بنی آدم میں سے ایک قوم کو برگزیدہ کرکے وہ امور گویا دوبارہ بتائے، مگر اور باتیں ان کے متعلق کیں جو محض اس برگزیدگی پر اثر کرتی ہیں۔ اس لئے ضرور تھا کہ جب تشخیص کا زمانہ پورا ہو تو وہ صداقتیں اپنی ذاتی عمومیت کے پایہ پر لائی جائیں مثلاً، جب مسیح نے فرمایا کہ "اُس نے اُس سے کہا کہ خُداوند اپنے خُدا سے اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبّت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے"(متی ۲۲:۳۷، ۳۸) تو اس کو ان شرعی احکام، شہادتوں اور حقوق کی قید سے نکال کر وسعت دی جن کی استثنا باب ۱۶ اور اور جگہوں میں تاکید آئی ہے۔ کیونکہ وہ احکام وغیرہ صرف بنی اسرائیل کے لیے خدا کی عبادت کا ذریعہ تھے اور پھر فرمایا کہ " خُدا رُوح ہے اور ضرُور ہے کہ اُس کے پرستار رُوح اور سچّائی سے پرستش کریں"(یوحنا ۴:۲۴)۔ یاد رہے کہ خدا کو پیار کرنے میں فقط اس کی ہستی کا اقرار ہی نہیں بلکہ ایمان با اعمال شامل ہے یعنی اس کی صحبت میں خوش رہنا اور اسی کی عبادت کرنا اور اس کے احکام بجالانا کیونکہ یوں تو "شیاطین بھی اِیمان رکھتے اور تھرتھراتے ہیں" (یعقوب ۲:۱۹)۔

پھر دوسرے حکم کو بھی ان انقیادی تعلقات سے جو اس کی عمومیت کی بطریق عارضی مانع تھیں بری کرکے شریعت کا اصل مدعا بتاتا ہے، مثلاً توریت میں محبت کا حکم ہے کہ اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت (احبار ۱۹:۱۸ اور استثنا ۲۳:۶)۔ ان دونوں مقاموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دوستی اور عداوت محدود کی گئی تھی۔ یہ پڑوسی اسی قوم کے لوگ تھے اور غیر جو اس جماعت میں شامل نہ تھے بلکہ مخالف تھے، ان سے عداوت کا حکم ہے۔ پس مسیح اس حد کو بے حد کرنے آیا اور یوں کیا "لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ اپنے دشمنوں سے محبّت رکھّو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرو۔ تاکہ تُم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سُورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تُم اپنے محبّت رکھنے والوں ہی سے محبّت رکھو تو تمہارے لئے کیا اجر ہے؟

کیا مُحصول لینے والے بھی اَیسا نہیں کرتے ؟ اور اگر تُم فقط اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو ؟ کیا غَیر قوموں کے لوگ بھی اَیسا نہیں کرتے ؟ پس چاہیے کہ تُم کامِل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامِل ہے"(متی ۵: ۴۴۔۴۸)۔ پھر کہا گیا کہ تو خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے عدالت میں سزا کے لائق ہو گا(خروج ۲۰: ۱۳ اور ۲۱: ۱۲۔۱۴)۔اس پر مسیح نے تشریحاً یہ زیادہ کیا کہ میں تمہیں کہتا ہوں جو کوئی اپنے بھائی پر بے سبب غصہ ہو عدالت میں سزا کے قابل ہو گا۔اس سے خون کے ارادے کی جڑ کو دل سے دور کیا تاکہ خون کی نوبت ہی نہ پہنچے، لیکن انسان کی طبیعت تو واقعی خون کو خون کہتی اور اس کی سزا دیتی ہے اور توریت میں بنی اسرائیل کو اس حرکت سے باز رکھنے کے لیے سزائیں مقرر ہوئیں، مگر مسیح اس حکم کو ان سے بری کر کے عمومیت دیتا ہے اور صرف ظاہری خون ہی کی نہیں بلکہ اس کی بیخ وبنیاد کی سزایابی کی آگاہی دیتا ہے۔اسی طرح اور امور اخلاقیہ کی اصلی تشریح بیان کی ہے اور ان احکام کو سب کے اور ہر ایک کے لیے واجب ٹھہرایا ہے۔یاد رہے کہ ان احکام کی نسبت یہود کے خیال توریت کے اصل مدعا کے خلاف ہو رہے تھے۔لہٰذا علاوہ اس تشریح کے ان کی خلاف تعبیروں کے برخلاف بھی توریت کو سچا ثابت کیا ہے۔ہاں ضرور تھا کہ یہ باتیں اور اَور بھی جو توریت میں مقاصد اخلاقیہ کے متعلق عارضی طور سے ٹھہرائی گئی تھیں ان کی معیاد پر کہے کہ پورا ہوا، مثلاً جورو کو چھوڑنے اور سبت کے متعلق احکام میں ایسی ہی عارضی باتیں تھیں(متی ۱۹: ۳۔۹ اور ۱۲: ۱۔۸) اور وہ بھی مسیح کے آنے سے اپنے انجام کو پہنچیں اور ان کا واجبی رواج قائم ہے۔

دوم واضح ہو کہ اس مرد ممسوح کی بابت نبیوں نے بہت خبریں طرح طرح کی لکھی ہیں۔ان کا پورا ہونا نہایت ضروری تھا اور انجیل اسی لیے ظاہر ہوئی کہ ان کی صداقت ثابت کرے۔ ہم صرف چند مثالوں پر اکتفا کریں گے۔پس معلوم ہو کہ جیسا ہم نے پیشتر فصل سوم میں بیان کیا تھا، اب پھر کہا جاتا ہے کہ کل بائبل کا مقدم مآل(جائے رجوع۔ نتیجہ۔انجام) حیات ابدی ہے اور اس کے لئے امور اخلاقیہ ضروری ہیں کیونکہ انہی کی تعمیل دل کو پاک رکھ سکتی ہے اور گناہ یعنی ان کی نافرمانی انسان کو اس تحصیل مآل سے محروم رکھتا ہے۔اب توریت میں اس نافرمانی کا فدیہ وہ احکام ہیں جو قربانیوں کو شامل کرتے ہیں اور اگر غور سے دیکھیں تو وہ قربانیاں شرع اخلاقی کے قائم رکھنے اور دلوں پر ثابت کرنے کے لیے تھیں۔ ہر ایک قربانی ان میں سے کسی نہ کسی عدولی کا فدیہ ثابت ہو سکتا ہے(ہماری مراد ان قربانیوں سے نہیں جو حیض وغیرہ کی نسبت تھیں)۔ دیکھو خصوصاً احبار چوتھے سے دسویں باب تک۔اسی طرح عہد جدید میں ہے، جس میں گناہ کا فدیہ مسیح ہے تاکہ انسان حیات ابدی سے محروم نہ رہیں۔ اس کی بنا توریت کے انہی احکام پر ہے کیونکہ وہ قربانیاں ایک حقیقی قربانی کی طرف اشارہ کرتی تھیں۔ان کا رواج اسی کے ظاہر ہونے تک تھا اور یہ بات آگے ہی کتب انبیا میں درج ہو چکی تھی۔ چنانچہ یسعیاہ لکھتا ہے " حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھایل کِیا گیا اور ہماری بدکرداری کے باعث کُچلا گیا۔ ہماری ہی سلامتی کے لئے اُس پر سیاست ہُوئی تاکہ اُس کے مار کھانے سے ہم شِفا پائیں۔ہم سب بھیڑوں کی مانِند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا پر خُداوند نے ہم سب کی بدکرداری اُس پر لادی۔ وہ ستایا گیا تَو بھی اُس نے برداشت کی اور مُنہ نہ کھولا۔ جِس طرح برّہ جِسے ذبح کرنے کو لے جاتے ہیں اور جِس طرح بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے سامنے بے زبان ہے اُسی طرح وہ خاموش رہا۔ وہ ظُلم کر کے اور فتویٰ لگا کر اُسے لے گئے پر اُس کے زمانہ کے لوگوں میں سے کِس نے خیال کِیا کہ وہ زِندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا؟ میرے

لوگوں کی خطاؤں کے سبب سے اُس پر مار پڑی۔۔۔جب اُس کی جان گُناہ کی قُربانی کے لئے گُذرانی جائے گی تو وہ اپنی نسل کو دیکھے گا۔اُس کی عُمر دراز ہوگی اور خُداوند کی مرضی اُس کے ہاتھ کے وسیلہ سے پُوری ہوگی"(یسعیاہ ۵۳: ۵۔۱۰)۔پس دیکھو کہ باوجود موسوی قربانیوں کے ایک اور گناہ کی قربانی کی خبر ہے۔کسی بیل اور بکری کی نہیں مگر ایک مرد غم ناک کے قربان ہونے کا بیان ہے۔پھر دانی ایل اور بھی صاف طور سے نام لے کر بیان کرتا ہے "تیرے لوگوں اور تیرے مُقدّس شہر کے لئے ستّر ہفتے مُقرّر کئے گئے کہ خطاکاری اور گُناہ کا خاتمہ ہو جائے۔بدکرداری کا کفّارہ دِیاجائے۔ابدی راستبازی قائم ہو۔رویاونبُوّت پر مُہر ہو اور پاکترین مقام ممسوح کیا جائے"(دانی ایل۹: ۲۴)۔"اور باسٹھ ہفتوں کے بعد وہ ممسوح قتل کیا جائے گا اور اُس کا کُچھ نہ رہے گا اور ایک بادشاہ آئے گا جس کے لوگ شہر اور مقدِس کو مسمار کریں گے اور اُس کا انجام گویا طوفان کے ساتھ ہو گا اور آخِر تک لڑائی رہے گی۔بربادی مُقرّر ہوچکی ہے"(آیت ۲۶)۔"اور وہ ایک ہفتہ کیلئے بہتوں سے عہد قائم کرے گا اور نصف ہفتہ میں ذبیحہ اور ہدیہ مَوقُوف کرے گا"،الخ۔پھر دیکھو یرمیاہ ۳۲: ۳۱۔۳۴"دیکھ وہ دِن آتے ہیں خُداوند فرماتا ہے جب مَیں اِسرائیل کے گھرانے کے ساتھ نیا عہد باندھُوں گا۔اُس عہد کے مُطابِق نہیں جو مَیں نے اُن کے باپ دادا سے کِیا جب مَیں نے اُن کی دستگیری کی تا کہ اُن کو مُلکِ مِصر سے نِکال لاؤں اور اُنہوں نے میرے اُس عہد کو توڑا اگرچہ مَیں اُن کا مالِک تھا خُداوند فرماتا ہے۔بلکہ یہ وہ عہد ہے جو مَیں اُن دِنوں کے بعد اِسرائیل کے گھرانے سے باندھُوں گا۔خُداوند فرماتا ہے مَیں اپنی شریعت اُن کے باطِن میں رکھُّونگا اور اُن کے دِل پر اُسے لکھوں گا اور مَیں اُن کا خُدا ہُوں گا اور وہ میرے لوگ ہونگے"،الخ۔پس جب اس کو نیا کہا تو پہلا پرانا ہوا اور جب نیا عہد باندھا تو پرانا ختم ہوا یاں اس کے ختم ہونے کی ضرورت تھی۔دیکھو ان باتوں کا پورا ہونا ازحد ضروری تھا اور مسیح نے اس لئے فرمایا کہ میں توریت اور انبیا کو پورا کرنے آیا ہوں اور صلیب پر بھی پکار کے کہا کہ "پورا ہوا"(یوحنا ۲۰: ۳۰)اور زندہ ہو کر بھی اس تکمیل کی ضرورت بیان کی(لوقا ۲۴: ۴۴)۔بایں ہمہ ناظرین نامہ بطرف عبرانیوں غور سے دیکھیں۔اس سے معلوم کرو کہ مسیح نے کون سی بات پوری کی جو کتب سابقہ میں تکمیل کی حاجت رکھتی تھی۔درحقیقت اس قربانی نے قدیم قربانیوں کا دور ختم کر کے آپ ان کا مطلب ادا کیا جس کے لئے وہ مقرر ہوئی تھیں،یعنی شرع اخلاقی جو ہر انسان پر زور رکھتی ہے اس کی عدم تعمیل یعنی گناہ کا فدیہ دیا تا کہ انسان حیات ابدی سے محروم نہ رہیں۔اس کفارہ میں یہ فوقیت ہے کہ عام ہے اور کسی خاص قوم کی قید نہیں۔حالانکہ توریت کی قربانیاں صرف بنی اسرائیل کے لئے تھیں۔یہ ایک اور بات ہے جو کتب سابقہ میں نہ تھی اور اس کے لئے مسیح کا آنا ضرور ہوا اور اس عہد کا عام ہونا یعنی غیر قوموں کا بھی یہود کے ساتھ نجات میں شریک ہونا کتب سابقہ میں پہلے درج ہو چکا تھا۔دیکھو یسعیاہ ۶۶: ۱۹۔۲۱، ۲۳ اور ملاکی ۱: ۱۰، ۱۱ اور استثنا ۳۲: ۲۱ بمقابلہ رومیوں ۱۰: ۱۹ اور یہ عمومیت موسوی قربانیوں سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔اس لئے مسیح کا آنا اور یہ کام نا تمام تمام کرنا ضرور تھا،دیکھو متی ۲۸: ۲۰۔

قربانیوں کے متعلق ایک اور امر ہے یعنی کہانت۔۱۱۰ زبور میں ایک نئی کہانت کی خبر ہے جو ملک صدق کی صف میں ہو گی۔اس کا پورا ہونا ضرور تھا اور یہ ناتمام امر مسیح نے پورا کیا۔دیکھو عبرانیوں باب ۷ اس سے لاوی والی کہانت کا ختم ہونا ظاہر ہے اور پھر یسعیاہ ۶۶: ۲۱ میں غیر قوموں کے کاہن اور لاوی قائم ہونے کی خبر ہے۔پس اس کہانت کا دور مسیح نے اپنے کلام اور کام سے ختم کیا اور خدا نے اپنے انتظام سے ظاہر کیا کہ ان کی معیاد وہیں

تک تھی، حتیٰ کہ نہ وہ ہیکل ہی رہی اور نہ وہ قربانیاں اور نہ لاوی والی کہانت رہی۔ لیکن مسیح خود ملک صدق کے طور پر ہمیشہ کے لیے سردار کاہن ہے اور اس کے خدام الدین ان قدیم کاہنوں کی جگہ روحانی نذریں ہر جگہ گزرانتے ہیں۔

اس کے ساتھ یروشلیم اور ہیکل کی بابت یاد رہے کہ سوائے یروشلیم کے اور کسی جگہ قربانیاں کرنے کا حکم نہ تھا(دیکھو استثنا۱۲: ۱۱، ۱۳، ۱۴)اور قید بھی خالی از مطلب نہ تھی،یعنی جب مسیح مصلوب ہو چکے اور وہ بھی یروشلیم میں پھاٹک کے باہر (عبرانیوں ۱۳: ۱۲)۔تب بعد اس کے کوئی جگہ قربانی کی نہ رہی اور یہود اس سے (ہیکل سے) محروم ہو کر معلوم کریں کہ پھر گناہوں کے لیے کوئی قربانی باقی نہیں(عبرانیوں ۱۰: ۲۶)اور ضرور اس اعلیٰ اور حقیقی قربانی پر یقین رکھ کے اپنے گناہوں سے پاک ہوئیں اور بچیں،ورنہ اپنے گناہوں میں مریں جیسا خداوند یسوع مسیح نے انہیں صریحاً فرمایا کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے کہ میں ہی ہوں تو تم اپنے گناہوں میں مروگے (یوحنا۸: ۲۴)اور یہود کا حال ایسا ہی ہوا اور اب ویسا ہی ہے۔ کہاں ہے وہ ہیکل ، وہ قربانیاں اور وہ کہانت ؟پس یہ مقاصد ہیں جو عہد عتیق میں بطریق ناتمام مندرج ہوئے اور مسیح کو ان کے پورا کرنے کی ضرورت ہوئی۔ مجملہ اس کے اور بہت ایسی باتیں ہیں جن کا پورا ہونا ضرور تھا، جیسے اس مرد ممسوح کا نبی اور سلطان ہونا، کنواری سے بیت لحم میں پیدا ہونا اور مر کر زندہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ مگر اب اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور حسب ضرورت پھر دیکھا جائے گا۔انجیل میں یہ بات مد نظر ہے کہ عیسیٰ وہی مسیح ہے اور ان سب باتوں کی تکمیل کے لیے انجیل کی اشد ضرورت تھی۔ اس سے عہد عتیق اور جدید میں لازمی نسبت ثابت ہوتی ہے۔ہاں مولانا صاحب ایسی نسبت جیسی پو پھٹنے اور طلوع آفتاب میں ہوتی ہے اور جب نیّر اعظم نکل آیا تو بعد اس کے کسی قندیل(ایک قسم کا فانوس جس میں چراغ جلا کر لٹکاتے ہیں) کی کیا ضرورت ہے؟ کچھ نہیں،وہ بے فائدہ ہے۔

قَولُہ۔ اگر حقیقی تکمیل ہوتی اور مسیحی اس پر عمل کرتے تو مسیحیوں اور یہودیوں میں کسی قسم کی منافرت(نفرت)اور مخالفت نہ واقع ہوتی۔یہودیوں کی منافرت کی وجہ یہی ہے کہ جناب موصوف نے توریت کے سارے حکموں کو جڑ سے نیست ونابود کر دیا۔

واضح ہو کہ یہ وجہ عدم تکمیل کی بالکل غلط ہے۔ منافرت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حقیقی تکمیل نہیں ہوئی۔اس منافرت کا سبب ان کی اپنی نادانی اور ضد تھی۔یہود کی اس کارروائی کی بھی انبیائے سلف خبر دے گئے تھے۔ چنانچہ داؤد کہتا ہے کہ "وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہوا" الخ(زبور۱۱۸: ۲۲۔ ۲۳)۔اس کے ساتھ دیکھو متی ۲۲: ۳۳۔ ۴۳ جہاں مسیح نے تمثیلاً بھی یہود کو سمجھایا اور پوچھا "۔۔کیا تُم نے کِتاب مُقدّس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جِس پتھر کو معماروں نے ردّ کِیا۔ وُہی کونے کے سِرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خُداوند کی طرف سے ہُوا۔ اور ہماری نظر میں عجِیب ہے ؟اِس لئے مَیں تُم سے کہتا ہُوں کہ خُدا کی بادشاہی تُم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اُس کے پھل لائے دیدی جائے گی۔
"

پھر دیکھو یسعیاہ ۸: ۱۴، ۱۵ با مقابلہ ا۔ پطرس ۲: ۶۔ ۸ جہاں یہود کے ٹھوکر کھانے کی صریح خبر ہے۔ پس یہ انکار اور ٹھوکر کھانا یہود کے ذمہ ہے۔ مسیح نے کئی مرتبہ ان کی نافہمی اور ضد پر ملامت کی اور یہ منافرت ان کی اپنی نادانی سے پیدا ہوئی ہے۔انہوں نے حقیقی مسیح کو نہ مانا اور

مخالفت کی اور اس وقت سے اب تک کسی مسیح کی آمد کے لیے سر پٹکتے ہیں۔ یہ بے جا ضد انہوں نے ہر صدی میں دکھائی اور کبھی اِس کو کبھی اُس کو (محمد پر بھی کچھ عرصہ دل لگا کر ہٹ گئے) مسیح قرار دیا، مگر آخر ہر بار دھوکے کھا کر مایوس ہو رہے ہیں اور عجیب مختلف باتیں سوچ رکھی ہیں۔ اس سے معلوم کرو کہ ان کی منافرت کی بنا صداقت پر نہیں، مگر نافہمی اور ضد پر ہے۔ اس حال میں یہودی اور آپ بھی رومیوں باب ۱۰، ۱۱ کا غور سے مطالعہ کریں تو اول یہودیوں کی ضد، نافہمی اور مایوسی جاتی رہے اور پھر آپ نامناسب تحکم (حکم کرنا۔ زبردستی) سے بازگشت کریں اور انجیل کی ضرورت اور قرآن کی عدم ضرورت پر صاد کریں تاکہ معلوم ہو کہ جس زمانہ اور جگہ میں خداوند عیسیٰ نمودار ہوا، بموجب اخبار عتیقہ کے وہی زمانہ مسیح کے ظاہر ہونے کا تھا اور کہ ان دنوں یہودی مسیح کے منتظر تھے، انہیں کے کاموں سے ظاہر ہے۔ چنانچہ انہی ایام میں تھیوڈس نے کچھ ہونے کا دعویٰ کیا اور بہتیرے اس کے معتقد ہوئے۔ یوسیفس مورخ اس کی بابت کہتا ہے کہ:

> اس نے لوگوں کے ایک بڑے حصہ کو ترغیب دی کہ اپنا اسباب لے کر میرے پیچھے یردن دریا پر آئیں کیونکہ اس نے انہیں کہا کہ میں نبی ہوں اور اپنے حکم سے دریا کو دو حصہ کر دوں گا اور ان کے لیے سہل رستہ ہو گا اور بہتیروں نے اس کی باتوں سے فریب کھایا([1] انٹی کوئی ٹی کتاب ۲۰ باب ۵)۔

پھر کتاب ہٰذا کے باب ۸ میں لکھتا ہے کہ:

> ان جعلسازوں اور فریبیوں نے لوگوں کو بہکایا کہ جنگل میں ہمارے پیچھے پیچھے آؤ اور دعویٰ کیا کہ ہم تمہیں صریح عجائبات اور نشانیاں دکھائیں گے جو انتظام الٰہی سے ہوتے ہیں اور بہتیرے جو ان کے فریب میں آ گئے ہلاک ہوئے۔

اس کے بعد ایک مصری کا ذکر کرتا ہے۔ اس نے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو کہا کہ:

> میرے ساتھ زیتون کے پہاڑ پر چلو اور وہاں سے میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میرے حکم سے یروشلیم کی دیواریں گر پڑیں گی اور میں ان گری ہوئی دیوارنوں سے تمہیں شہر کے اندر داخل کروں گا۔ یہ لوگ بھی فریب کھا کے برباد ہوئے۔

پھر جنگ یہود کتاب ۷ باب ۱۱ میں ایک یوناتن [2] جلاہے کا ذکر ہے۔ اس نے معجزے دکھانے کے وعدے پر لوگوں کو جنگلوں میں اپنے پیچھے بلایا۔ ان کو گٹلس نے سوار اور پیادے بھیج کر ہلاک کیا اور بعضوں کو قید کیا اور کئی ایک مثالیں ہم چھوڑے دیتے ہیں۔ انہی سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں یہودیوں کے دل مسیح کے انتظار میں بے قرار ہو رہے تھے۔ اس سے پہلے یہود نے ہر کس و ناکس کو نبی مان کر پچھتانہ کیا تھا اور عجب ماجرا ہے کہ جب حقیقی مسیح ظاہر ہوا تو یہود نے اس سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ اس کو قتل کروا کے اس کا خون اپنے اور اپنی اولاد پر لیا اور اس کا بدلہ وہ ہے جو آج تک یہودی بھوگ رہے ہیں اور ہم تم دیکھ رہے ہیں اور تاکہ یسوع کو مسیح نہ مانیں۔ وہ ضد سے کسی نہ کسی کو ہر صدی میں مسیح سمجھ کر دھوکا کھاتے رہے ہیں اور اپنی ضد کی کارروائی میں کبھی کامیاب نہ ہوئے۔

---

[1] Antiquities of the Jews - Book 20
[2] Jewish War

وہ نہیں سوچتے کہ ان کی امید کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے۔ ان کا کل کارخانہ معدوم ہو گیا ہے پھر بھی جھوٹی امید اور ضد کو قائم رکھے جاتے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے کبھی کسی کو مسیح گردانا اور کبھی کسی زمانہ کو مسیح کی آمد کا زمانہ قرار دیا، مگر ہمیشہ مایوس رہے، جیسا ذیل کے بیان سے ظاہر ہے جو مسٹر لیسلی صاحب کی کتاب (میتھڈ وہٹہ دی جیوز) سے لیا گیا ہے۔ یہ عہد ٹراجان (تراجان) ۱۱۴ء میں ایک انڈریو مسیح مانا گیا اور ہزاروں یہودیوں کی بربادی کا باعث ہوا۔ ایڈرمان کے عہد میں بار کو سب کو مسیح سمجھا اور ایسی تباہی یہود پر آئی کہ ویسی بخت نصر یا ٹائٹس کے عہد میں نہ ہوئی تھی۔ اس قدر ہلاکت اٹھا کے یہود نے اس کو جھوٹا مسیح کہا۔ پھر ۴۳۴ء میں جزیرہ کریٹ میں ایک جھوٹا مسیح اٹھا اور اس نے موسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں کریٹ کے یہودیوں کو سمندر میں سے خشک زمیں پر پار کروں گا اور بہتیروں کو ترغیب دی کہ سمندر میں کود یں۔ پھر ۵۲۰ء میں عرب میں ڈونان نامی ایک جھوٹا مسیح اٹھا اور اپنے پیرو یہودیوں کے ساتھ نگرا شہر میں مسیحیوں پر حملہ کیا اور بہت ظلم و جفا کیا اور آخر مارا گیا۔ پھر ۵۲۹ء میں جولیان نامی ایک جھوٹے مسیح نے یہودیوں اور سامریوں سے بذریعہ فریب کے بغاوت کروائی اور اس سبب ان میں سے بہتیرے مارے گئے۔ پھر اسی صدی میں محمد سے بھی دھوکا کھایا[1] اور مسیح سمجھ کر کچھ عرصہ اس کے گرد رہے اور آخر طرفین نے ایک دوسرے سے ترک اختیار کیا۔ پھر ۷۲۱ء میں انہوں نے ایک سریانی کی جس نے کہا کہ میں مسیح ہوں پیروی کی۔ پھر ۱۱۳۷ء میں انہوں نے فرانس میں کسی کو مسیح تصور کیا اور اس سبب اس ملک سے نکالے گئے بہتیرے ان میں سے ہلاک ہوئے۔ پھر ۱۱۳۸ء میں ملک فارس کے اندر مسیحائی کا دعویٰ کر کے ہتھیار اٹھائے اور وہاں کے یہودیوں کی مصیبت کا باعث ہوا۔ پھر ۱۱۵۷ء میں یہودیوں نے ملک ہسپانیہ میں کسی مسیح کے زیر ہو کر بغاوت کی اور قریباً کل برباد ہوئے۔ پھر ۱۱۶۷ء کے اندر سلطنت فنیر میں ایک اور مسیح کے نیچے یہود نے بہت تکلیف اٹھائی۔ پھر اسی سن میں عرب کے اندر ایک اور اٹھا اور اسی صدی میں دریائے فرات کے پار ایک اور مسیح اٹھا اور یہ نشان دکھانے کا وعدہ کیا کہ میں کوڑھی ہو کر سو رہوں گا اور تندرست اٹھوں گا۔ اسی صدی میں یہو نایڈ نیر یہودی عالم کہتا ہے کہ وہ مشہور جھوٹا مسیح فارس میں اٹھا جو ڈیوڈ رالرائے کہلایا۔ یہ بڑا جادوگر تھا اور بہتیرے یہودیوں کو دھوکا دیا۔ پھر ۱۲۲۳ء میں یہودیوں نے جرمنی میں ایک جھوٹے مسیح کی پیروی جس کو وہ ابن داؤد کہتے تھے اور اسی برس وہ ایک عورت سے مسیح کے پیدا ہونے کی امید رکھتے تھے جو درمس کی تھی، لیکن اس عورت کے لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ۱۴۶۵ء میں جب سارا بسن یعنی محمدی عیسائیوں پر حملہ کرتے تھے تو یہودیوں نے سمجھا کہ یہ مسیح کے آنے کا وقت ہے اور اسی سال ایک یہودی نجومی ربی ابرہام نے نبوت کی کہ مسیح کے آنے کا وقت نزدیک ہے۔ ربی آبریانل نے بھی ایسی خبریں دی تھیں۔

پھر ۱۴۹۷ء میں اسمٰعیل سوفس نے یہودیوں کو دھوکا دیا کیونکہ اس نے پارتھیا، فارس اور مسوپتامیہ میں فتح یابی حاصل کر کے یہودیوں کو دھوکا دیا اور ایک محمدی فرقہ جاری کیا۔ ۱۵۰۰ء میں ربی اسخر نیملا جرمنی میں ظاہر ہوا اور کہنے لگا کہ میں مسیح کا پیش رو ہوں اور کہ مسیح اسی سال آئے گا اور یہودیوں کو ملک کنعان میں بحال کرے گا۔ اکثر یہودی ہر کہیں اس کی مان گئے اور مسیح کے آنے کی تیاری کے لیے روزوں اور نمازوں کے وقت مقرر کیے۔ پھر ۱۶۶۶ء میں وہ مشہور جھوٹا مسیح سے تہائی زیوی اٹھا اور اپنی جان بچانے کی خاطر آخر محمدی ہو گیا۔ پس دیکھو کہ کس طرح

---

[1]۔ جس نے کہا تھا کہ مجھے پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں (سورہ اعراف رکوع ۱۶ آیت ۱۵۸)۔

یہودی عیسیٰ ناصری کو مسیح نہ ماننے کی ضد پر ہر صدی میں مسیح مسیح کہتے رہے ہیں۔ یہ مسیح ہے، وہ مسیح ہے ان کی نافہمی اور ضد کے سبب ان کے منہ سے صادر ہوتا رہا ہے۔ اس لئے ان کی منافرت اور مخالفت سے تکمیل میں نقصان نہیں آتا۔

بجواب اللہ دیا

اب ان باتوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو منشور محمدی مطبوعہ رجب المرجب ۱۲۹۸ ہجری نمبر ۱۹ میں محمدیوں کی طرف سے قرآن کی ضرورت کی خاطر پیش کی گئی تھیں اور وہ توضیح جواز منجانب اس کے جواب میں لکھی گئی تھی نذر ناظرین کی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے۔

قَولُہ۔ جب یہ امر خود پادری صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ تمام بائبل مختلف زمانوں میں جدا جدا انبیاعلیہ السلام پر نازل ہوئی ہے تو کیا معنی جو بار بار احکام کے نزول کو فضول قرار دیتے ہیں۔ اس قاعدہ کی بنیاد تو صرف نافہمی یا دھوکا دہی پر معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب جدا جدا زمانہ میں انبیاعلیہ السلام مبعوث ہوئے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو خلعت رسالت سے ممتاز فرما کر کسی قوم کی طرف بھیجا تو ایک قانون اسی قوم کے لئے جو ان کی تہذیب ظاہر و باطن کو آراستہ کرے، اس رسول کے ہمراہ عنایت کیا۔ بعد اس کے دوسرے زمانہ میں جب دوسرا رسول آیا وہی قانون اس کو عنایت ہوا۔ مگر اس قانون جدید میں کچھ کچھ قانون اول کی تشریح اور کچھ احکام کی منسوخیت جو قوم اول کو بطور میعاد کے جس کی معیاد علم الٰہی میں موجود تھی نازل فرمائی اور باقی کل احکام اخلاقی اور فرمان الٰہی قانون اول اور قانون جدید میں ضرور ایک ہی ہونا چاہیے انتہیٰ۔

اول۔ واضح ہو کہ میری غرض دھوکا دینے کی نہیں ہے لیکن بے ریا محبت کی رو سے آپ لوگوں کو ایک فریب عظیم سے رہا کرنے کی ہے۔ پس واضح ہو کہ انبیائے بائبل ایسے نہیں جیسے آپ بیان کرتے ہیں۔ آپ کا بیان محمدی ڈھب پر ہے، کیونکہ انبیا خدا کی شریعت یعنی توریت کے محافظ اور معلم تھے۔ ان میں سے کسی نے کوئی نیا قانون سوائے اس پہلے کے پیش نہ کیا۔ وہ توریت ہی کے احکام کی تعمیل کے لیے بنی اسرائیل کو تاکید کرتے تھے۔ صفات الٰہی اور فرائض انسانی جو توریت میں مندرج ہو چکے تھے، ان سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور ہر عدول کے لئے انتقام الٰہی کی خبر دیتے تھے اور اس کے وقوع سے انہیں عبرت دلاتے تھے۔ توریت کے امور اخلاقیہ کی نہ صرف تاکید کرتے بلکہ انتظام الٰہی سے ان کی صداقت ان پر ثابت کرتے تھے۔ وہ سب واقعات جو بنی اسرائیل یا دیگر اقوام کی نسبت کتب انبیا اور کتب تواریخ میں قلم بند ہوئیں ہیں، ان سے بھی لوگوں کی ہدایت مد نظر تھی۔ حتیٰ کہ انجیل میں بھی انہی کی طرف رجوع کرایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انبیا توریت ہی کے معلم اور نگہبان تھے اور کوئی اپنا نیا قانون نہ لایا، انہیں کتابوں سے ظاہر ہے۔ وہ اس کا ہدایت نامہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں (دیکھو یشوع ۲۳: ۶۔۷) اور جتنے قاضی ہوئے ان کے عہد میں جو ثواب اور سزائیں بنی اسرائیل نے کمائیں وہ توریت کی تعمیل یا عدول کا ظہور ہے۔ زبور کی کتاب میں داؤد بار ہا شریعت کی طرف رجوع کرتا اور توجہ دلاتا ہے۔ دیکھو پہلا زبور اور ۱۹ اور ۴۰ اور ۷۷، ۷۸، ۸۱، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۳۵، ۱۳۶ اور خصوصاً ۱۱۹ زبور کل اور پھر اس نے اپنے بیٹے سلیمان کو بھی یہی ہدایت دی (۱۔ سلاطین ۲: ۳۔۴، پھر دیکھو نوحہ یرمیاہ ۲: ۱۷؛ دانی ایل ۹: ۱۱۔۱۳؛ یسعیاہ ۲۴؛ ۳۰: ۹؛ ۲۴: ۵؛ یرمیاہ

۸:۸؛ عاموس ۲:۴؛حزقی ایل ۴۴:۲۴)۔اس سے ظاہر ہے کہ کوئی نبی نیا قانون لے کر نہ آیا کیونکہ پیشتر جو ایک موجود تھا۔لیکن ہر ایک اپنی الہامی آزادگی کے موافق طرح بہ طرح اسی اول کی پیروی اور تعمیل کی ترغیب دیتا رہا اور نہ وہ اپنی اپنی قوم کے پاس آئے لیکن اسی ایک ہی موسیٰ والی قوم میں بھیجے گئے اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہ کیا، کیونکہ ان کی آمد کی یہ غرض نہ تھی۔ البتہ ایک آدھ حکم جن کی پوری تعمیل نہ ہوئی ان کو پورا کیا، مثلاً بموجب حکم کتاب استثنا۱۲:۴۔۸ بمقابلہ ۲۔تواریخ ۶:۵ ہیکل یروشلیم میں تعمیر کی گئی، کیونکہ داؤد کے وقت تک کوئی مستقل جگہ عبادت وغیرہ کی قرار نہ پائی تھی۔باوجود اس کے یہ بھی ظاہر ہے کہ شریعت کی رسمیات اور انقیادی تعلقات عارضی تھے۔ان کی حد ترویج خدا کے ارادے میں مسیح تک تھی۔اس لئے اگرچہ انہوں نے خود توریت کا کوئی حکم موقوف نہ کیا تاہم اس کے ختم ہونے اور ختم کرنے والے کی خبر دینے کی ضرورت ہوئی، جیسا ہم اور مواضع میں اس امر کا بیان کر چکے ہیں۔پس صاحب ان انبیائے سابقین کا یہ کام تھا۔ آپ ان باتوں پر غور فرمائیے۔

بایں ہمہ یہ بھی واضح ہو کہ بائبل ایک کتاب ہے اور اس کے دو حصے ہیں جو دو زمانوں کے متعلق ہیں۔ایک میں توریت معہ شرح انبیا شامل ہے اور دوسرے میں اناجیل اربعہ (جو مل کے ایک ہی انجیل ہے) معہ شرح حوارین شامل ہے۔پہلا ابتدائی یا تیاری کا حصہ ہے اور دوسرا اس کا انجام یا تکمیل ہے اور یوں دونوں حصے ایک دوسرے کے محتاج ہو کر ایک ہی کتاب ہے۔اس لئے ایک کتاب یا اس کے حصے کو پارہ پارہ کر کے پناہ نہ ڈھونڈنی چاہیے۔

دوم۔ جو تعلیم وغیرہ حضرت محمد صاحب قرآن میں کہہ چکے ہیں ان کا ذکر گوش گزار کیا گیا ہے۔پس جس حال کہ انبیائے عہد عتیق کے احکام توریت کی ترغیب دیتے رہے اور ان کی زبانی خدا نے ہر عدولی کی سزا عائد کی اور آئندہ اصلاح وغیرہ کی خبر دی اور پھر جس حال کہ وہ احکام جو قوم اول کو بطور میعاد نازل فرمائے تھے یعنی عارضی احکام اپنی حد کو پہنچ گئے اور احکام تشریح طلب کی زیادہ تشریح کی گئی اور جو تکمیل طلب تھے ان کی تکمیل ہو گئی اور جو دائمی تھے ان کا دوام قائم کیا گیا۔ہاں یہ سب مطالب انجیل مقدس سے حاصل ہو چکے تھے۔تو باقی کیا رہا؟ اس لیے قرآن پاک آپ کی طرز تحریر کی رو سے بھی فضول ٹھہرتا ہے۔اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔اس کی پیروی سے کیا حاصل ہے؟ اور سوائے اس کے ان باتوں کا خیال کرو جو قرآن میں لکھی گئی ہیں۔وہ کیا باتیں ہیں اور کہاں کہاں سے لے کر لکھی گئی ہیں۔یہ تو نہیں کہ الہامی کتابوں سے مدد پا کر لکھا اور صبر کرتے، مگر یہ جتانے کے لئے کہ اگلے نبیوں والی باتیں ہی نہیں زیادہ بھی بیان کرتا ہوں (نازل ہوتی ہیں)۔انسانی روایتوں وغیرہ وغیرہ کو بھی الہامی باتوں کے ساتھ ہی ملا دیا۔پس قرآن میں نہ صرف غلط بناؤں سے سیکھ کر صداقتوں کی مخالفت کی ہے بلکہ احکام اخلاقی و عارضی معلوم شدہ وغیرہ کو لکھ کر ان کو اپنی طرف سے جتایا ہے اور یوں نبی بننے کا شوق دکھایا ہے۔اگر نبی ہونا ایسا ہی سہل ہے تو کون نہیں بن سکتا۔

سوم۔ جو تعلیم وغیرہ حضرت محمد صاحب قرآن میں کہہ چکے ہیں ان کا ذکر گوش گزار کیا گیا ہے۔پس جس حال کہ انبیائے عہد عتیق کے احکام توریت کی ترغیب دیتے رہے اور ان کی زبانی خدا نے ہر عدولی کی سزا عائد کی اور آئندہ اصلاح وغیرہ کی خبر دی اور پھر جس حال کہ وہ

احکام جو قوم اول کو بطور میعاد نازل فرمائے تھے یعنی عارضی احکام اپنی حد کو پہنچ گئے اور احکام تشریح طلب کی زیادہ تشریح کی گئی اور جو تکمیل طلب تھے ان کی تکمیل ہوگئی اور جو دائمی تھے ان کا دوام قائم کیا گیا۔ہاں یہ سب مطالب انجیل مقدس سے حاصل ہو چکے تھے۔ تو باقی کیا رہا؟ اس لیے قرآن پاک آپ کی طرز تحریر کی رو سے بھی فضول ٹھہرتا ہے۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اس کی پیروی سے کیا حاصل ہے ؟ اور سوائے اس کے ان باتوں کا خیال کرو جو قرآن میں لکھی گئی ہیں۔ وہ کیا باتیں ہیں اور کہاں کہاں سے لے کر لکھی گئی ہیں ۔ یہ تو نہیں کہ الہامی کتابوں سے مدد پا کر لکھا اور صبر کرتے ، مگر یہ جتانے کے لئے کہ اگلے نبیوں والی باتیں ہی نہیں زیادہ بھی بیان کرتا ہوں (نازل ہوتی ہیں)۔ انسانی روایتوں وغیرہ وغیرہ کو بھی الہامی باتوں کے ساتھ ہی ملا دیا۔ پس قرآن میں نہ صرف غلط بناؤں سے سیکھ کر صداقتوں کی مخالفت کی ہے بلکہ احکام اخلاقی و عارضی معلوم شدہ وغیرہ کو لکھ کر ان کو اپنی طرف سے جتایا ہے اور یوں نبی بننے کا شوق دکھایا ہے۔ اگر نبی ہونا ایسا ہی سہل ہے تو کون نہیں بن سکتا۔

الزامی اعتراضوں کا جواب

منشور محمدی مطبوعہ ۵ رجب المرجب ۱۲۵۸ ہجری نمبر ۱۹

قَولُہ۔ پادری صاحب آپ کا قاعدہ اختراعی تو آپ کی بائبل اقدس ہی کی بیخ کنی کرتا ہے۔ دیکھو پیدائش باب ۹ آیت ۴ میں لکھا ہے کہ "تُم گوشت کے ساتھ خون کو جو اُس کی جان ہے نہ کھانا"۔ پھر استثنا ۱۲: ۱۶ میں بھی خون حرام ٹھہرایا ہے۔ دیکھئے یہ احکام حرمت خون میں دو دفعہ اولاً نازل ہو چکا تو تیسری بار اس کے نزول کی کیا حاجت تھی جو انجیل اعمال الرسل کے باب ۱۵ کی ۲۰ آیت میں نازل ہوا۔

واضح ہو کہ جب خدا اس مخصوص قوم کو خاص طور سے احکام فرمانے لگا تو ضرور تھا کہ ہر امر و نہی کو جو پہلے تھا یا نہ تھا ان کے لیے قلم بند کرائے۔ اگر یہ حکم دوبارہ توریت میں درج نہ کیا جاتا تو بنی اسرائیل اس حکم کے زیر بار نہ ہوتے اور وہ خود بھی اس کے نوح والے حکم کو اوروں کے لیے سمجھتے نہ کہ اپنے لیے ، کیونکہ ان کو انہی احکام پر عمل کرنے کا حکم ہوا جو توریت میں فرمائے گئے اور اس لیے ضرور ہوا کہ وہ عام حکم بنی اسرائیل کے لیے خاص کیا جائے۔ پھر بتایا بھی گیا کہ کیوں یہ حکم ان کے لئے بھی قائم رہا، جیسے لکھا ہے کہ " اور اِسرائیل کے گھرانے کا یا اُن پر دیسیوں میں سے جو اُن میں بُود و باش کرتے ہیں جو کوئی کسی طرح کا خُون کھائے مَیں اُس خُون کھانے والے کے خِلاف ہُوں گا اور اُسے لوگوں میں سے کاٹ ڈالُوں گا۔ کیونکہ جِسم کی جان خُون میں ہے اور مَیں نے مذبح پر تمہاری جانوں کے کفّارہ کے لئے اُسے تُم کو دِیا ہے کہ اُس سے تمہاری جانوں کے لئے کفّارہ ہو کیونکہ جان رکھنے ہی کے سبب سے خُون کفّارہ دیتا ہے۔ اِسی لئے مَیں نے بنی اِسرائیل سے کہا ہے کہ تُم میں سے کوئی شخص خُون کبھی نہ کھائے اور نہ کوئی پردیسی جو تُم میں بُود و باش کرتا ہو کبھی خُون کو کھائے۔۔۔ اِسی لئے مَیں نے بنی اِسرائیل کو حکم کِیا ہے کہ تُم کسی قسم کے جانور کا خُون نہ کھانا کیونکہ ہر جانور کی جان اُس کا خُون ہی ہے۔ جو کوئی اُسے کھائے وہ کاٹ ڈالا جائے گا،" الخ۔ بنی اسرائیل میں سے جو شخص

خواہ اسرائیل کے گھرانے کا ہو خواہ مسافروں میں سے جن کی بودوباش ان میں ہو کسی خون کو کھائے تو میرا چہرہ اس خون کھانے والے کے برخلاف ہو گا اور میں اسے اس کی جماعت میں سے کاٹ دوں گا، کیونکہ بدن کی حیات لہو میں ہے۔ سو میں نے مذبح پر وہ تم کو دیا ہے کہ اس سے تمہاری جانوں کے لئے کفارہ ہو، کیونکہ وہ جس سے کسی جان کا کفارہ ہوتا ہے سو لہو ہی ہے۔ اسی لیے میں نے بنی اسرائیل کو کہا کہ تم میں سے کوئی خون نہ کھائے، الخ" (احبار ۱۷:۱۰۔۱۶)۔ پس بنی اسرائیل کے لیے توریت میں اس حکم کے دوبارہ نزول کی ضرورت تھی اور کتاب اعمال الرسل میں جو اس کا سہ بارہ ذکر آیا ہے تو وہ بھی ضرورت سے خالی نہیں ہے۔ نہ اس مذکور سے وہ کتاب فضول ٹھہرتی ہے کیونکہ جب احکام رسمی انجیل سے یعنی مسیح کے آنے اور کفارہ ہونے سے اپنی حد ترویج کو پہنچے جن میں یہ حکم مذکورہ بھی شامل تھا تو یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ حکم خون نہ کھانے کا قائم ہے۔ اس حکم کو پھر فرمانا ضرور ہوا۔ اس لئے کہ اگر یہ حکم انجیل میں پھر مذکور نہ ہوتا تو غیر قوم عیسائی اور یہودی عیسائی بھی اس سے ویسے ہی بری ہوتے جیسے اور احکام سے ہیں۔ پس دیکھئے حکم اول اپنے دوبارہ اور سہ بارہ مذکور کو فضول نہیں ٹھہراتا۔ سو صاحب سمجھ میں آپ کی نہ آیا اور نافہمی ابتدا ہی میں میرے ذمہ لگائی تھی۔ بات پیچھے کرنا اور پہلے دوسرے کو نافہم کہہ لینا کسی کسی کا کام ہے۔

پھر دوسری نظیر آپ نے تمثیل انگورستان کی دی ہے اور لکھتے ہیں کہ یہ تمثیل اولاً زبور ۸۰ اور پھر صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے پانچویں باب میں بھی مذکور ہو چکی تھی اور اس کی ماقبل عبارت میں کہتے ہیں کہ جب یہ تمثیل روح القدس کی امداد سے حضرت متی نے انجیل میں نقل کر دی تو وہی تمثیل روح القدس نے مرقس ولوقا کو کیوں ارشاد کی اور اس کل پر یوں کہتے ہیں کہ آپ کے اختراعی قاعدہ بموجب ایک امر اگر دوبارہ نازل ہونے سے تو فضول ہو جاتا ہے، یہاں پانچ دفعہ ایک ہی تمثیل کے بیان کو کیا فرمائیں گے۔ سنیئے صاحب یہ تمثیل پانچوں دفعہ حسب ضرورت بیان ہوئی۔ دیکھئے پہلا ذکر یعنی زبور ۸۰:۸ میں صرف ایک تاک کے لائے اور لگائے جانے کا ذکر ہے۔ یسعیاہ میں اس کو تاکستان بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح اور کس لیے خدا نے اسے لگایا اور نگہبانی کی، لیکن کچھ پھل اس سے نہ پایا اور اس تمثیل کو ایسی تشریحی طور سے اس لئے بیان کیا تاکہ بنی اسرائیل کی بدی کی شدت اور اس کی سزا سے آگاہ کرے یا اسے وارد کرنے کے لئے ایسا بیان کیا۔ داؤد کے وقت میں بنی اسرائیل بگڑے نہ تھے کہ ایسی تمثیل کی نوبت پہنچتی اور اس لیے زبور مذکور میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ زبور میں صرف اس کے لگائے جانے کا ذکر ہے۔ دوسری دفعہ یہ تمثیل یا مثل ہمارے خداوند نے کہی اور چونکہ اس تاکستان کی صورت میں مسیح کے زمانہ تک تغیر آ گیا تھا اس لئے مسیح نے اس کی یعنی تمثیل کی طرز کسی قدر بدل کر اس میں وہ باتیں بڑھائیں یا ظاہر کیں جو یسعیاہ کے زمانہ کے بعد گزریں۔ اگر یسعیاہ والی باتیں کہہ کر ختم کرتا تو اس کے کہے کو فضول کہنے کی گنجائش ہوتی۔ لیکن یسعیاہ اور مسیح نے اس تمثیل کے مختلف زمانے بیان کیے ہیں۔ پس یہ تمثیل دو ہی موقعہ پر حسب ضرورت کہی گئی اور اس کا دوبارہ ذکر فضول نہیں ٹھہرتا اور روح القدس نے متی، مرقس اور لوقا تینوں سے انگورستان کی تمثیل کا ذکر بہ حیثیت ہم عصر مورخوں یا گواہوں کے کروایا ہے تاکہ اس بات کو کہ مسیح نے یہ تمثیل کہی تھی کثرت گواہوں سے ثابت کرے اور مسیح کے کام اور کلام ایسے واقعات تھے کہ ان کا کثرت گواہوں سے ثابت کرنا ضرور تھا۔ ہاں اس لئے ضرور تھا کہ ان کی ثقاہت (متانت۔ قابل اعتبار ہونا) میں شک کی گنجائش نہ رہے۔ اگر مسیح کے کام اور کلام انسان کی نجات کا مرکز نہ ہوتے تو جس طرح دنیا کے اور واقعات کے لئے خواہ ایک گواہ ہو خواہ بہت تو چنداں مضائقہ نہیں ہوتا، اسی طرح ان کی حالت رہتی۔ مگر روح القدس نے ایسا کرنا مناسب نہ جانا اور اپنی باتوں کو گواہوں

کے ابر سے گھیر دیا۔(پس ان باتوں کو جو ایسے گواہوں سے ثابت ہو چکی تھیں لے کر بیان کرنا یاان کے بر خلاف کہنا اور کہنا کہ میں بھی رسول ہوں، کیسابڑا افریب ہے۔ قرآن میں ان کے تصدیق کرنے کی حاجت نہ تھی کیونکہ ان کے ثبوت میں ذرا بھی قصور نہ تھا، وہ باتیں مسلم الثبوت تھیں)۔ الحاصل آپ کی اس ہمت سے بھی قرآن آخر فضول ٹھہرتا ہے۔ یہ نظیریں اس کی ضرورت کے لیے مطلق مفید نہیں ہیں۔ بعد اس کے جو آپ نے خدا اور انسان سے محبت رکھنے کی بابت لکھاہے۔ اس سے بھی ہمارا اتفاق نہیں ہے اور ہمارا مطلب اس امر میں یہ ہے کہ قرآن میں خدا سے محبت کرنے کا بیان بائبل کے مقابلہ میں قاصر اور فضول ہے یعنی قاصر ہونے سے خود بخود فضول ٹھہرا۔ لیکن اگر برابر بھی ہو تو بھی فضول ہے اور باہمی محبت اس میں ندارد۔

قولہ۔ یہ جو آپ نے خدا کی محبت کی بابت بائبل سے نقل کر کے لکھاہے کہ تو اپنی ساری عقل اور سارے جی اور اپنے سارے زور سے اپنے خدا کو دوست رکھ۔ جناب من یہ محبت عام ہے۔ ہر کوئی جھوٹا اور سچا یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں خداوند تعالیٰ کو سارے دل اور جان سے محبت کرتا ہوں۔ یہاں کوئی قید نہیں لگائی گئی جس سے جھوٹی اور سچی محبت میں تمیز ہو سکے۔ بر خلاف اس کے قرآن شریف میں بائبل سے کہیں بڑھ کر اول تو محبت خداوند تعالیٰ کا ذکر ہے۔ دوسرے جھوٹی اور سچی محبت کرنے والوں میں ایک ایسا عمدہ قاعدہ مقرر ہوا ہے جس سے فوراً معلوم ہو سکتاہے کہ یہ شخص محب صادق ہے۔ ان دونوں باتوں کے لیے آپ نے سورہ عمران رکوع ۴ کا حوالہ دیاہے یعنی "کہہ دے اے محمد صاحب اگر تم دوست رکھتے ہو اللہ کو تو میری تابعداری کرو"۔

اقول۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ اس مشروط بیان کو بائبل کے بیان صریح سے بڑھ کر بتاتے ہیں۔ واضح ہو کہ اس آیت میں محمد کی تابع فرمانی مقدم ہے اور اس کی تابع فرمانی کرنا گویا خدا سے محبت کرنا ہے۔ اس تابع فرمانی کو ذرا علیٰحدہ تو کر کے دیکھو کہ باقی کیا رہتا ہے۔ یہ کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو۔ اس فقرے میں حکم محبت کا کہاں ہے؟ بغیر محمد کی تابع فرمانی کے ساتھ ملائے کچھ بات ہی نہیں بنتی۔ محمد صاحب کا دخل اس میں ضرور ہے اور آپ کا دوسرا حوالہ بھی تابع فرمانی کا آوازہ دیتاہے یعنی وہ جو مسلمان ہوئے ہیں ان کو خدا سے نہایت سخت محبت ہے۔ یہاں خدا سے محبت کرنا کیا ہے؟ مسلمان ہونا۔ جو مسلمان نہیں ان کو خدا سے محبت نہیں۔ اس تابع فرمانی کا پیچھے ذکر ہو گا۔ اول آپ کی اس بات کا جواب دیا جاتاہے کہ بائبل میں کوئی قید نہیں لگائی گئی جس سے جھوٹی اور سچی محبت میں تمیز ہو سکے۔ لو دیکھئے ا۔ یوحنا ۲:۱۵"نہ دُنیا سے محبّت رکھو نہ اُن چیزوں سے جو دُنیا میں ہیں۔ جو کوئی دُنیا سے محبّت رکھتاہے اُس میں باپ کی محبّت نہیں"۔ پھر ۴:۲۰"اگر کوئی کہے کہ مَیں خُدا سے محبّت رکھتا ہُوں اور وہ اپنے بھائی سے عداوت رکھّے تو جُھوٹا ہے کیونکہ جو اپنے بھائی سے جسے اُس نے دیکھا ہے محبّت نہیں رکھتا وہ خُدا سے بھی جسے اُس نے نہیں دیکھا محبّت نہیں رکھ سکتا"۔ یہ باتیں تو محمد صاحب کے قیاس میں آئی ہی نہیں۔ سو صاحب محبت صادق کا یہ اندازہ ہے اور یوں تو ہر ایک پیشوا اپنے پیرووں اور اوروں سے بھی کہہ سکتاہے کہ میری تابع فرمانی خدا کی محبت کا ظہور ہے۔ پھر دیکھئے انجیل یوحنا ۵:۲۳"تاکہ سب لوگ بیٹے کی عِزت کریں جس طرح باپ کی عِزت کرتے ہیں۔ جو بیٹے کی عِزت نہیں کرتا وہ باپ کی جِس نے اُسے بھیجا عِزت نہیں کرتا"۔ پھر باب ۱۵:۲۳"جو مجھ سے عداوت رکھتاہے وہ میرے باپ سے بھی عداوت رکھتاہے"۔ ا۔ کرنتھیوں ۱۶:۲۲"جو کوئی خُداوند کو عزیز نہیں رکھتا ملعون ہو۔ ہمارا خُداوند

آنے والا ہے"۔ دیکھئے قید محمدی کے مقابلہ میں یہ قید حب یزدانی کی موجود تھی۔ اس لئے محمد صاحب کا اپنی تابع فرمانی طلب کرنا فضول ہے۔ خدا کی محبت اور عدم محبت کی دلیل مسیح ہے۔ قرآن میں کس وجہ سے محمد صاحب کو شرط محبت کہا ہے۔ کون سا کام یا کلام محمد نے مسیح سے بڑھ کر ظاہر کیا جس سے مسیح کا خدا کی محبت کی قید ہونا ناپسند کیا جاتا ہے ؟ پس صاحب قرآن والی تابع فرمانی بھی فضول ٹھہری۔ بالفرض اگر مسیح کو فقط انسان ہی مانیں تسپر بھی مسیح کے حضور محمد کی کچھ حیثیت نہیں۔ قرآن والی محبت یزدانی کا یہ حال ہے اور اس کو آپ بائبل کی تعلیم سے بڑھ کر کہتے ہیں اور اس میں محبت حق اور باطل کی قید سے انکار کرتے ہیں۔ ضد سے کچھ حاصل نہیں مناسب ہے کہ حق کو حق کی خاطر قبول کرو۔

پھر کہیے صاحب کیا محمد صاحب اپنے تیئں اس محبت کی کل وسعت کا جو انسان پر خدا کی طرف واجب ہے اندازہ ٹھہراتے ہیں اور کیا آپ بھی ان کے کلام سے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اگر جواب ہاں ہی ہے تو ہمارے نزدیک غلط ہے۔ اگر بموجب آپ کی تشریح کے محمد صاحب اپنے تیئں اس محبت کی قید گردانتے ہیں تو کیا شک ہے کہ ان کا خیال محبت الٰہی کی نسبت قاصر تھا۔ کیونکہ محبت الٰہی کی ایک صورت یا موجب یہ ہے کہ خدا کی ذاتی صفات کے لحاظ سے یا کہ خدا کو خدا جان کے محبت کرنا یعنی ذات الٰہی کی محبت بلا کسی قید کے ہونی چاہیئے، جیسے پاکیزگی کو پاکیزگی کی خاطر یعنی اس کی ذاتی عمدگی کے سبب پیار کرنا چاہیئے۔ اس محبت کو ہم اخلاقی محبت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا ظہور انسان کی طرف سے خدا کی تعریف اور بزرگی کرنے میں ثابت ہوتا ہے اور وہ حکم کہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل وجان وزور اور سمجھ سے پیار کر اس اخلاقی محبت کی ترغیب ہے۔ اس کا نام نامشروط محبت ہے اور یہ قرآن میں کم نظر آتی ہے۔ دوسرا موجب محبت ایزدی کا یہ ہے کہ خدا سے اس کی مہربانیوں کے سبب سے محبت ظاہر کرنی اور اگر قید لگ سکتی ہے تو اس محبت پر لگے گی، جیسا ا۔یوحنا ۴: ۱۱ "اَے عزیزو! جب خُدا نے ہم سے اَیسی محبّت کی تو ہم پر بھی ایک دُوسرے سے محبّت رکھنا فرض ہے"۔ پھر آیت ۱۹ "ہم اِس لئے محبّت رکھتے ہیں کہ پہلے اُس نے ہم سے محبّت رکھّی"۔ خدا کی مہربانیاں انسان پر بڑی ہیں اور ان کے لحاظ سے انسان کو لازم ہے کہ خدا محبت رکھے۔ لیکن اس نے ایک بڑی اور ابدی رحمت یعنی یسوع مسیح کو جس کے وسیلے سے خدا کا فضل اور فضل سے بخشش بہتیروں کے لیے ہوئی نازل کر کے انسان سے خاص محبت طلب کی ہے اور برکتیں سب اس سے نیچے ہیں۔ اس کی شناخت کی علامت یہ ہے کہ ہم بھی ایک ایک سے محبت رکھیں۔ اس باہمی محبت میں ہر ایک کے لئے ہر امر میں خیر خواہی لازم ہے۔ باتوں ہی سے نہیں کاموں سے لازم ہے کہ ہم بھائیوں کے واسطے اپنی جان دیں (ا۔یوحنا ۳: ۱۶)۔ پس اس محبت کے لیے جس کا اظہار انسان سے خدا کے شکریہ میں ادا ہوتا ہے، ایک قید موجود ہے جس سے جھوٹی اور سچی محبت میں تمیز ہو سکتی ہے تو محمد صاحب کی قید کیونکر درمیان آسکتی ہے، یہ فضول ہے۔ محمد کو ہم کسی بات کے لئے خدا کی برکت یا فضل نہیں ٹھہرا سکتے۔ یہ حق اس کے پھلوں کا ہے، پھر باہمی محبت کی بابت۔

قَولُہٗ۔ اولاً جو پادری صاحب نے انجیل متی ۵: ۴۳، ۴۴ میں سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اپنے پڑوسی سے دوستی رکھو اور اپنے دشمن سے عداوت۔ پادری صاحب اگر متی صاحب کے معاون اور مددگار ہیں تو اس عبارت کا اور اپنے دشمنوں سے عداوت کا نشان دیں، ورنہ متی صاحب کی خانہ سازی میں کلام ہی کیا ہے۔

جناب جب ہم نے پڑوسی سے دوستی رکھنے کا حوالہ دیا تھا تو اس کے ساتھ دشمن سے عداوت کا بھی دیا، مگر چونکہ وہ حوالے خطوط وحدانی میں تھے آپ نے صرف احبار ۱۹:۱۸ کو دیکھا جس میں دوستی کا بیان ہے اور دوسرے کو اسی مضمون کا سمجھ کر یہ لکھ مارا ہے اور یا کہ امور اخلاقیہ کے بیان میں صرف محبت کا حوالہ دیا گیا تھا اس سے آپ نے عداوت کا ذکر توریت میں ندارد سمجھ لیا۔ ہر حالت میں غلطی ہی کی ہے اور یا اپنے ہی طور پر غلطی کی ہے۔ سو صاحب پھر دیکھو استثنا ۲۳:۶ اور عزرا ۹:۱۲ اور معلوم کرو کہ یہ متی رسول کی خانہ سازی نہیں آپ کی ناواقفی کا ظہور ہے۔

قَولُہ۔ اب میں چند آیات باہمی محبت کی قرآن شریف سے نقل کرتا ہوں۔ دیکھئے اول سورہ رعد میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ "جو لوگ برائی کے عوض میں بھلائی کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے دار آخرت یعنی قیامت ہے"۔ دوم پھر سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان کو دہرا اجر ملے گا کہ انہوں نے صبر کیا اور بھلائی کرتے ہیں، برائی کے بدلے"۔

جواب۔ یہ باتیں ہم نے بھی سورہ رعد کے رکوع ۳ اور سورہ قصص کے رکوع ۶ میں دیکھیں۔ اب آپ دیکھئے سورۂ شوریٰ رکوع ۴ **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ** " اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔ مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کردے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ پھر دیکھئے سورہ حج رکوع آیت ۶۰ **ذَٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ** " اور جس نے بدلہ دیا جیسا اس سے کیا تھا پھر اس پر کوئی زیادتی کرے تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ" (دیکھو قرآن محبت سکھاتا ہے!)۔ پھر دیکھئے سورہ بقر رکوع ۲۴ آیت **وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ** " اور ان کو جہاں پاؤ قتل کردو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکے سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔ اور (دین سے گمراہ کرنے کا) فساد قتل وخونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کرڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔" (واہ رے محبت! تیری یہی خوبیاں ہیں)۔

قَولُہ۔ سوم سورۂ مومن میں خداوند کریم فرماتا ہے "بری بات کا جواب وہ کہہ جو بہتر ہو"۔

جواب۔ یہ فرمان سورۂ مومن میں ندارد ہے ۔ لیکن دیکھو سورہ مومنون رکوع ٦ آیت ٩٧ جہاں یہ بیان پایا جاتا ہے ۔ یہ تعلیم بے شک قابل پسند ہے مگر قرآن کے دیگر مقامات یا منشائے قرآن کے برخلاف معلوم ہوتی ہے۔ اختلاف پر افسوس ہے۔

قَولُہٗ۔ چہارم سورہ تغابن آیت ١٣ میں یو مرقوم ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ** میں اللہ جل شانہُ فرماتا ہے "اے ایمان والو بعض تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو (یہاں تک محبت نہیں ہے) اور اگر معاف کرو اور درگزرو، الخ" (اس میں معاف کرنا اور نہ کرنا مرضی پر موقوف ہے اور معاف نہ کرنے کو عیب نہیں کہا ہے)۔

جواب۔ دیکھئے سورۂ مجادلہ آخری آیت "تو نہ پائے گا کوئی لوگ جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوں اللہ کے اور اس کے رسول کے اگرچہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے" انتہیٰ۔ پھر دیکھئے سورہ توبہ رکوع ٣ "اے ایمان والو نہ پکڑو اپنے باپوں اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان سے اور جو تم میں ان کی رفاقت کریں سو وہی لوگ ہیں گناہ گار"۔

یہاں باپ وغیرہ بھی دوستی سے خارج کیے گئے ہیں [1] ۔ اب دیکھئے کہ مسیح نے باہمی محبت کی ایک یہ دلیل بتائی ہے کہ خدا اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر اگاتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر مینہ برساتا ہے۔ اس لئے تم بھی اپنے دشمنوں کو پیار کرو تاکہ اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو۔ ہاں جس حال کہ خدا بدکاروں یعنی اپنے دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے تو ہم کیوں اس کے اور اپنے دشمنوں سے عداوت کریں اور پھر دیکھئے کہ جوروؤں اور بیٹوں کی دشمنی سے درگزر کرنا وہ محبت ہے جو آپ نے پادری عماد الدین لاہز صاحب کی تفسیر سے بیان کیا ہے یعنی جسمانی پیار۔ لیکن خداوند نے فرمایا کہ اگر تم فقط اپنے بھائی کو سلام کہو تو کیا زیادہ کیا؟ اور ہمارا مطلب باہمی محبت کو قرآن میں ندارد کہنے سے یہ نہیں کہ اس میں جورو وغیرہ سے بھی محبت کا انکار ہے، لیکن یہ کہ وہ محبت ندارد ہے جس کا بائبل مقدس مشاہدہ کرتی ہے۔ کیونکہ محمد صاحب نے وہی تعلیم سکھائی جو ہمارے خداوند نے ناقص ٹھہرائی ہے۔ بائبل کی تعلیم میں عمومیت اور روحانیت ہے (دیکھو لوقا ٦:٣١) قرآن میں نفسانی قید ہے۔ آخر اس جواب کے آپ کو یہ بھی سمجھایا جاتا ہے کہ اس جسمانی محبت کی تاکید بھی بائبل میں آچکی ہے۔ اس لئے قرآن فضول کہتا ہے (دیکھو

---

[1] جب اللہ دیا صاحب کے حوالوں کے ساتھ وہ باتیں نظر سے گزرتی ہیں جو سورہ نسا رکوع ٩ آیت ٦٧ میں اور سورہ مائدہ رکوع ٨ آیت ٢٠، ٢١ میں اور سورہ الممتحنہ رکوع ٢ آیت ٨ میں مرقوم ہیں۔ موخرا لذکر یہ ہے کہ "اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک" اور سورۂ حجرات رکوع ١ آیت ٩ اور سورہ نسا رکوع ٥ اور مثل ان کے باہمی محبت کو محمدیت سے باہر جانے نہیں دیتے اور وہ مقامات جو ہم نے فصل اول ضمیمہ نمبر ٢ میں پیش کیے ہیں۔ وہ اوروں کو صریحاً محبت باہمی سے خارج رکھتے ہیں۔

نامہ افسیوں ۷:۶)۔ اخیر اپنی تحریر کے اللہ دیا صاحب نے ان حوالوں کا جو ہم نے نور افشاں نمبر ۳۶ جلد ۸ میں باہمی محبت کے ندارد ہونے کے ثبوت میں پیش کیے تھے کچھ جواب نہ سنایا اور اس کے بجائے یہ لکھتے ہیں۔

قَوْلُہٗ۔ دیکھو انجیل متی ۱۰:۵۔ پادری صاحب دیکھئے آپ تو صرف محبت خاص ہی پر طعن کرتے ہیں (صاحب طعن نہیں حق کہتا ہوں)اور بموجب قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسیحی دین ہی خاص ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود نبی اسرائیل تھے اور صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے ہدایت چاہتے تھے اور دیگر اقوام کو اس ہدایت سے محروم رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے مسیح کی تمثیل انگورستان دیکھو تو مسیحی دین کی عمدیت معلوم ہو گی اور بھی دیکھو متی ۸:۱۱۔۱۲ جہاں بنی اسرائیل کے نکال دیئے جانے اور غیر قوموں کا پورب اور پچھم سے آکر آسمان کی بادشاہت میں شامل کیے جانے کا بیان ہے۔ پھر واضح ہو کہ اول وعدے بنی اسرائیل سے ہوئے۔ وہ وعدے کے فرزند تھے اور اس لیے ان کی ہدایت پہلے شروع کی گئی۔ "۔۔۔ ضرُور تھا کہ خُدا کا کلام پہلے تمہیں سُنایا جائے لیکن چُونکہ تُم اُس کو رَدّ کرتے ہو اور اپنے آپ کو ہمیشہ کی زِندگی کے ناقابِل ٹھہراتے ہو تو دیکھو ہم غَیر قَوموں کی طرف مُتوّجِہ ہوتے ہیں" (اعمال ۱۳: ۴۶)۔ اسی سبب سے مسیح نے جی اٹھنے سے پہلے وہ حکم نہ دیا تھا جو متی کی انجیل کے آخر میں مرقوم ہے اور اس کے مطابق پولس رومیوں کے خط باب اول میں فرماتا ہے کہ مسیح کی انجیل ہر ایک کی نجات کے واسطے جو ایمان لاتا پہلے یہودی پھر یونانی کے واسطے خدا کی قدرت ہے۔ پس صاحب اس ہدایت میں تدریج (درجب بدرجہ ہونا) مد نظر تھی نہ کہ غیر قوموں کو ہدایت سے محروم رکھنا اور یاد رکھو کہ واقعات بھی اس تدریج کو ثابت کرتے ہیں۔

اللہ دیا صاحب کے جواب الجواب کا جواب[1]

ہمارے جواب مرقومہ بالا پر اللہ دیا صاحب نے پھر منشور محمدی مطبوعہ ۲۵ صفر المظفر نمبر ۶ جلد ۱۱ میں کچھ جواب لکھا تھا مگر الزامی طرز کو اور بھی بڑھایا ہے اور قرآن کی ضرورت کے ثبوت کو پھر بھی بھولے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر محمدیوں سے قرآن کی ضرورت ثابت نہیں ہوتی تو صاف اقرار کریں کیونکہ بائبل کی چند ایک باتوں کے مکرر۔ سہ کرر (دوبارہ تبارہ۔ بار بار) بائبل ہی میں مذکور ہونے سے قرآن کی ضرورت ثابت نہ ہو گی۔ چاہیئے کہ قرآن کی ضرورت تحقیقی طور سے واضح کی جائے۔

قَوْلُہٗ۔ صدہا باتیں قرآن شریف کی تورات وزبور وصحیفہ انبیا علیہم السلام سے ملتی ہیں۔ اس ملنے کو لے کر بیان کرنا پادری صاحب کی خام خیالی ہے کیونکہ الہام الٰہی سے جو کتاب لکھی جائے گی اس کا پہلی الہامی کتابوں سے میل جول ہونا ضروری امر ہے۔

---

[1] یہ جواب نور افشاں ۱۸۸۲ء کے نمبر ۱۱، نمبر ۱۲، نمبر ۱۳ میں شائع ہوا تھا۔

اقول۔ ہاں صاحب دیکھو قرآن والا بھی اسی طرح کہتا ہے۔ سورہ یوسف آخری آیت ''کچھ بات بنائی ہوئی نہیں لیکن موافق اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے''۔ مگر ہمارا دعویٰ توجیوں کا تیوں رہا کہ اس بات کی مطلق ضرورت نہ تھی کہ وہی اگلی باتیں لے کر بیان کریں اور کہہ دیں کہ دیکھو میں ان کتابوں کے موافق بیان کرتا ہوں۔ وہ بیانات معدوم نہ ہو گئے تھے جن کے بحال کرنے کے لئے زیادہ الہام کی ضرورت ہوتی۔ صاحب من ان کے ہوتے ہوئے تو ایسا الہام فضول ہے۔ جس بات کو ثابت کرنا تھا آپ نے اس کو یونہی فرض کر لیا ہے کہ یوں یا ووں ہوا کیونکہ بندہ کا اس بات سے انکار نہیں کہ الہامی باتیں موافق ہونی چاہئیں۔ اگر موافق نہ ہوں تو اختلاف کی وجہ مذکور ہونی چاہیئے۔ مگر یہ کیا ضرور تھا کہ محمد صاحب کو الہام ہوتا کہ آخر اگلی کتابوں کی باتیں بیان کرے۔ اس لیے قرآنی سلسلہ ہی فضول ٹھہرتا ہے اور پھر یاد رہے کہ کم ترین نے قرآن کی دھارا کے سب چشموں کا سراغ نکال دیا ہے اور آپ پھر بھی کہے جاتے ہیں کہ یہ موافقت الہام الٰہی کے سبب سے ہے۔ کچھ تو سوچو۔ جو باتیں بائبل سے لی گئی ہیں وہ تو بائبل کے موافق ہوں گی اور جو اور جگہوں سے لی گئی ہیں وہ کیونکر بائبل کے موافق ہوں گی۔ ناظرین قرآن کا یہ مرکب حال دیکھ چکے ہیں۔ سو صاحب خام خیالی تو آپ ہے کے ساتھ نسبت رکھتی ہے، مجھے اس سے کیا واسطہ ہے۔

قَولُہ۔ الہامی کتابوں سے جو مدد پا کر حواریوں نے لکھا ہے وہ پادری صاحب بخوبی جانتے ہیں۔ یہاں بیان کرنا مضمون کو طول دینا ہے۔ باقی رہا پادری صاحب کا یہ کہنا کہ انسانی روایتوں وغیرہ وغیرہ۔ سو جواب یہ ہے کہ پادری صاحب کا یہ اعتراض تو اصل میں انجیل پر صادق آتا ہے۔ پادری صاحب ازراہ تعصب اولاً قرآن پر وار کرتے ہیں۔

اقول۔ آپ کا اصل مطلب سے کترانا خوب ظاہر ہے کیونکہ اس کا تحقیقی جواب کچھ نہیں ہے اور اس بات کو قائم رکھتے ہو کہ محمد صاحب نے بے شک نہ صرف الہامی کتابوں سے مدد پائی بلکہ انسانی غلط اور جعلی روایتوں سے بھی ایسا کام چلایا کہ ان کو اپنے الہام میں شامل کر لیا۔ اس نتیجہ کو آپ انجانے قبول کرتے ہو، مگر شرم کے مارے اس اقرار کو دباتے ہو اور جی چھپا کر پھر پھر انجیل پر زور مارتے ہو۔ حواریوں کو اس مدد کی ضرورت تھی کیونکہ عہد عتیق انجیل کی بنا ہے اور انجیل اس کی تکمیل یا خاتمہ ہو کر اس کے ان مضامیں کو پیش کرتی ہے جن سے وہ اپنی ضرورت کی بنا رکھتی ہے۔ تاہم انجیل عہد عتیق کے مقابل میں کل پر ایک نئی کتاب ہے مگر قرآن ایسا نہیں ہے۔ لیکن پرانی باتوں سے مخلوط و مرکب ہے اور ان ہی باتوں کو پھر پھر پیش کر کے حضرت نے اپنی رسالت جتائی ہے۔ ان باتوں کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے۔ اب پھر یہاں اس کو پیش کرنا ضرور نہیں۔ پھر انجیل میں روایتی باتوں کے اندراج کی دو مثالیں آپ نے پیش کی ہیں۔ ایک متی ۲:۲۲ میں جیسا نبیوں نے فرمایا تھا پورا ہوا کہ وہ یعنی حضرت عیسیٰ ناصری کہلائے گا۔ اس پر کہتے ہو کہ تمام عہد عتیق میں کہیں نہیں لکھا کہ مسیح بہ سبب سکونت ناصرت بستی کا ناصری کہلائے گا۔

واضح ہو کہ اس مطلب کی کوئی روایت بھی نہ تھی کہ خداوند عیسیٰ ناصری کہلائے گا اور نہ کسی خاص نبی کی کتاب سے اقتباس ہے۔ لیکن اکثر نبیوں کے بیان کی طرف اشارہ ہے اور حواری لفظ نبیوں لکھتا ہے جنہوں نے اس کی ناصری حالت کو بیان کیا ہے یعنی جن کے اقسام بیان کا یہ ایک خلاصہ ہے۔ چنانچہ یسعیاہ نبی نے بیان کیا تھا کہ وہ آدمیوں میں بے نہایت ذلیل اور حقیر تھا بمقابلہ زبور ۲۲:۶ اور چونکہ ناصرت ایک حقیر

جگہ تھی، یہاں تک کہ گلیلی جن کو اور علاقوں کے یہودی کمینہ اور حقیر جانتے تھے۔ وہ بھی اپنی اس بستی کو ہیچ سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ مثل ہو چکی تھی کہ ناصرت سے کوئی اچھی چیز نہیں نکل سکتی۔ لہٰذا بلحاظ اس بستی کی سکونت کے حواری نے نبیوں کے بیان کو لفظ ناصری سے بیان کیا اور کسی انسانی روایت کو درج نہیں کیا ہے اور نبیوں کے اقسام بیان کو ایک خلاصہ میں پیش کرنا اور مقاموں سے بھی ظاہر ہے (دیکھو یوحنا ۷:۳۸ اور یعقوب ۵:۴)۔

دوسری مثال یہوداہ کا خط آیات ۹:۴ بھی انسانی روایت سے بیان کیے گئے ہیں۔ معلوم ہو کہ یہ انسانی روایت اس طور پر بیان نہیں کی گئی ہے جیسا قرآن والے نے کیا ہے یعنی الہام انجیل کے اجزا میں سے نہیں ہے۔ لیکن حواری ان لوگوں کی مسلم روایتوں سے بھی ان پر اپنے بیان کو ثابت کرتا ہے۔ پولس رسول نے ایک دو مرتبہ غیر قوم شاعروں کے قول اسی مطلب کے لیے پیش کیے ہیں۔ چنانچہ ایک مقلم کتاب اعمال الرسل ۱۷:۲۸ ہے "۔۔۔ جیسا تمہارے شاعِروں میں سے بھی بعض نے کہاہے کہ ہم تواُس کی نسل بھی ہیں"۔ اس جگہ رسول نے اپنے مدعا کو ان لوگوں پر ثابت کرنے کے لئے ان کی خاطر انہی کے شاعروں کو پیش کیا ہے۔ دوسرا مقام ططس ۱:۱۲ ہے جہاں پولس کرنتھیوں کے شاعر کے قول سے کرنتھیوں کا حال ططس پر ظاہر کرتا ہے "اُن ہی میں سے ایک شخص نے کہاہے جو خاص اُن کا نبی تھا کہ کُریتی ہمیشہ جُھوٹے۔ مُوذی جانور۔ احدی کھاؤ ہوتے ہیں"۔ پس یہ روایتیں اور غیر بیان غیر ہی رہتے ہیں اور صرف لوگوں کی خاطر روایت کے طور پر پیش کئے گئے اور رسولوں کے الہام میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں انہیں اور طرح معلوم ہوئیں اور جس طرح معلوم ہوئیں انہوں نے انہیں اسی طرح پیش کیا ہے یعنی ان کو ان شاعروں ہی کا کلام کہاہے۔ مگر قرآن والے نے دیکھو کیا کیا ہے۔ سورہ نسار کوع ۱۷ آیت ۱۱۲ "اللہ نے نازل کی تجھ پر کتاب اور کام کی بات اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ جان سکتا"۔ پھر سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ "کہہ جمع ہوئیں آدمی اور جن۔۔ کہ لائیں ایسا قرآن نہ لائیں گے ایسا قرآن اور بڑی مدد کریں ایک کی ایک اور ہم نے پھر پھر سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں ہر کہاوت"۔ دیکھو سب کچھ وحی کے متھے ماراہے۔ حالانکہ آپ نے غیر ذریعوں سے، ہادیوں سے سیکھا جو حضرت کے ملک اور زمانہ میں موجود تھے۔ اس کا نام جعلسازی ہے اور یہ قرآن کے نزول آسمانی کی عدم ضرورت کے لیے قوی دلیل ہے یعنی ایسے قرآن کے آسمان سے نازل ہونے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اس کی ترکیب کا سامان زمین ہی پر موجود تھا۔

قَولُہ۔ بھلا پادری صاحب یہ جو آپ نے تحریر کیا کہ احکام اخلاقی وعارضی معلوم شدہ وغیرہ کو لکھ کر اپنی طرف سے جتایا ہے۔ براہ مہربانی قرآن شریف میں دکھایئے تو سہی یہ دعویٰ آنحضرت نے کہاں کیا۔ ہائے افسوس صد افسوس پادری صاحب عدم ضرورت قرآن کا تو دعویٰ کریں اور قرآن شریف کی معلومات کا یہ حال۔ کیا پادری صاحب کی نظر مبارک سے سورہ نجم سپارہ ۲۷ رکوع اول بھی نہیں گزرا۔

اقول۔ اپنی طرف سے جتانے کے یہ معنی ہیں یعنی یہ جتایا کہ میرے ذریعہ سے یا مجھ پر بھی ایک کتاب آسمانی فلاں فلاں مضمون کی نازل ہوئی ہے اور صاف نہ کہا کہ میں نے فلاں گروہ سے یہ اور وہ بات سیکھی ہے اور سورہ نجم رکوع اول کو پیش کرنا فضول ہے، کیونکہ اپنا جعل

چھپانے کے لیے حضرت کی یہ حکمت تھی۔ اس بھید کو تو ہم فاش کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ وحی قرآن کے لیے سوائے نزول قرآن کے اور دلیل نہ رکھتے تھے۔ وہ نزول احکام اخلاقی اور عارضی اور دیگر امور ظاہر شدہ کا صرف تکرار ہے اور قرآن کی یہ ترکیب نہ صرف اس کو فضول ٹھہراتی ہے بلکہ اس کے آسمانی نزول کو صریحاً رد کرتی ہے۔ مگر پھر بھی دیکھو سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ "اور ہم نے پھر پھر سکھائی لوگوں کو اس قرآن میں ہر کہاوت"۔ اس (ہم نے) کا اشارہ خدا کی طرف ہے یا محمد کی طرف، بہر صورت ہماری تحریر ثابت ہے۔ ہر کہاوت کو اپنی وحی کی یا اپنی طرف سے (جو ایک ہی بات ہے) جتایا ہے۔

قَولُہ۔ شاید پادری صاحب نے قرآن شریف کو مثل انجیل کے حواریوں کی من گھڑت خیال کر لیا ہو گا، اس لئے ایسا دعویٰ کر بیٹھے۔

اقول۔ صاحب من دعویٰ کہاں رہا ثابت کر دیا ہے کہ قرآن نہ صرف من گھڑت بلکہ سنی سنائی اور سیکھی سکھائی مروج باتوں کا مجموعہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ اس حالت میں ایک فضول کتاب ہے۔ مگر دیکھئے آپ کی لاچاری پھر پھر ظاہر ہوتی ہے اور اصل مطلب سے آنکھ بچاتے ہو۔ آپ محمدی صاحبوں نے سمجھ چھوڑا ہے کہ انجیل پر اعتراض کرنے سے قرآن کا بچاؤ۔ سو آپ دھوکا کھاتے ہیں۔ کوئی واجبی صورت اختیار کیجئے۔

قَولُہ۔ چنانچہ چند مقامات انجیل سے حواریوں کی من گھڑت بیان کرتا ہوں۔ خط اول کرنتھیوں ۷:۲۵ میں لکھا ہے کہ "کُنوارِیوں کے حق میں میرے پاس خُداوند کا کوئی حکم نہیں لیکن دِیانتدار ہونے کے لئے جَیساخُداوند کی طرف سے مُجھ پر رحم ہُوَااُس کے مُوافِق اپنی رائے دیتا ہُوں"۔ پھر خط دوم کرنتھیوں ۱۱:۱۶،۱۷ میں یوں مسطور ہے کہ "مَیں پھِر کہتا ہُوں کہ مُجھے کوئی بیُوقُوف نہ سمجھے ورنہ بیُوقُوف ہی سمجھ کر مُجھے قبول کرو کہ مَیں بھی تھوڑا سا فخر کرُوں۔ جو کُچھ مَیں کہتا ہُوں وہ خُداوند کے طَور پر نہیں بلکہ گویا بیُوقُوفی سے اور اُس جُرات سے کہتا ہُوں جو فخر کرنے میں ہوتی ہے"۔ ان آیات مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ اعظم الحوارین جناب پولس بدون الہام الٰہی اپنی طرف سے من گھڑت تو کیا بلکہ بے وقوفی سے بھی جو دل میں آیا فرما دیا کرتے تھے۔

اقول۔ اول مقام کی نسبت واضح ہو کہ خداوند یسوع نے اس امر کی نسبت زمین پر ہوتے ہوئے کوئی حکم نہ دیا تھا۔ اس لئے حواری کہتا ہے کہ کنواریوں کے حق میں خداوند کا کوئی حکم مجھ پاس نہیں۔ لیکن پولوس رسول جس پر دیانت دار ہونے کے لیے خداوند کی طرف سے رحم ہوا، اس حیثیت میں ہو کر یہ صلاح دیتا ہے اور یہ رحم رسالت کے رحم سے مراد ہے، جیسا دیکھو ا۔ کرنتھیوں ۱۵:۱۰ "لیکن جو کُچھ ہُوں خُدا کے فضل سے ہُوں اور اُس کا فضل جو مُجھ پر ہُوَا وہ بے فائدہ نہیں ہُوَا بلکہ مَیں نے اُن سب سے زیادہ محنت کی اور یہ میری طرف سے نہیں ہُوئی بلکہ خُدا کے فضل سے جو مُجھ پر تھا"۔ پس صاحب پولس رسول اس فضل یا رحم کی راہ سے صلاح دیتا ہے اور اس کے ذمہ من گھڑت کا الزام لگانا، آپ کی گھڑت ہے۔

دوسرے مقام کی نسبت معلوم ہو کہ اس باب میں رسول ان جھوٹے نبیوں کے برخلاف جنہوں نے کرنتھیوں کو پولوس کی طرف سے بد ظن کر دیا تھا اپنی رسالت ثابت کرتا ہے اور ان پر اپنی رسالت ثابت کرنے کو بے وقوفی کہتا ہے، کیونکہ لوگ ایسی طرز کو بے وقوفی سمجھتے کہ اپنی آپ ہی کہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اس کی اس بے وقوفی اور فخر کی برداشت کریں۔ یہ بات ثابت کرکے کہتا ہے کہ کوئی مجھے بیوقوف نہ جانے اس خیال سے کہ میں اپنی رسالت آپ ہی ثابت کرتا ہوں اور پھر بھی اگر وہ اس بات کے لیے بیوقوف سمجھیں تو بھی اسے قبول کریں یعنی جو کچھ وہ کہتا ہے اسے قبول کریں اور اس کے اس فخر کا ساتھ دیں۔ اس کے بعد بیان کرتا ہے کہ خداوند نے ایسا فخر نہیں کیا لیکن میں اس فخر کو جو کہ گویا بیوقوفی ہے بیان کرنے کی ضرورت دیکھتا ہوں اور آیت ۱۸ سے ان باتوں کا ذکر کرتا ہے جن پر جھوٹے استاد اپنا فخر کرتے تھے۔ حواری جتاتا ہے کہ اس امر میں میں ان سے بیشتر فخر کر سکتا ہوں اور یوں اپنا پچھلا حال ان پر ظاہر کرتا ہے۔ اب اس میں آپ کا نتیجہ بالکل ناپاید ہے کیونکہ رسول لوگوں کے خیال کے موافق اپنے تئیں بیوقوف ہی ٹھہرا کے پھر بھی اپنی رسالت اور فخر ثابت کرتا ہے (کیا محمد نے کبھی اس طرح اپنی رسالت کے واضح ثبوت دیئے ؟) اور اس موقع کو آپ فرماتے ہیں کہ پولس بدون الہام الٰہی فرمادیا کرتے تھے۔ دیکھو اسی باب کی آیت ۱۳۱ور سمجھ لو کہ پولوس رسول من گھڑت باتیں نہیں کہتا تھا۔ رسول یوں لکھتا ہے "لیکن خداوند یسوع مسیح کا خدا اور باپ جو ہمیشہ مبارک ہے جانتا ہے کہ میں (پولوس) جھوٹ نہیں کہتا"۔ ارے صاحب قرآن کا تو حال ہی کچھ اور ہے۔ وہ تو سراسر دھوکا ہے۔

قَولُہ۔ جناب پادری صاحب آپ کو نہ بائبل کی معلومات اور نہ قرآن کی پھر کس شیخی پر عدم ضرورت قرآن لکھنے بیٹھے تھے۔

اقول۔ آپ نے کئی مرتبہ ایسی دُر افشانی (خوش بیانی) کی ہے اور برادر عزیز کم ترین کی معلومات تو آپ پر اور سب ناظرین اخبار پر روشن ہے۔ آپ کیوں تنگ آگئے۔ مجھے اپنے علم کی شیخی نہیں، مگر اظہار صداقت کی غیرت نے یہ اثر دکھایا ہے اور اس میں آپ لوگ لاچار سے ہو رہے ہیں۔ مجھے اس بات کا حسد نہیں اگر آپ کی معلومات مجھ سے زیادہ ہوں، مگر تشہیر حق سے غرض ہے۔

قَولُہ۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ نبی تھا اگر ایسا ہی سہل ہے تو کون نہیں بن سکتا۔ جناب پولس صاحب کی نبوت کا حال دیکھو بخوبی معلوم ہے کہ آپ ہی آنکھیں بند کرکے اندھا ہو گیا، پھر آپ ہی آنکھیں کھول کر بینا ہو گیا اور آنکھیں بند کرنے اور کھولنے سے نبی بن سکتا ہے تو کون نہیں بن سکتا۔

اقول۔ شاید حضرت محمد صاحب نے نبی بننے کا یہ طریقہ کسی سے سنا نہ ہو گا، ورنہ اتنا جھوٹ سچ بولنے کی بجائے آنکھیں ہی پھوڑ لیتے تو مراد کو پہنچ جاتے۔ آپ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ کم ترین کا قول صحیح ہے یعنی حضرت محمد کا نبی بننا سہل تھا یعنی جو طریق انہوں نے اس مطلب کے لیے اختیار کیے، وہ اس شوق کو سہل کر دیتے ہیں اور بندہ نے ان کے نبی بننے کی سہولتوں کو صراحتاً ثابت کر دیا ہے۔ مگر آپ نے پولوس رسول کا آپ ہی آنکھیں بند کر لینا اور پھر آپ ہی کھول کر نبی بن جانے کا کیا ثبوت دیا ہے ؟ اس کے ثبوت میں بھی تو کچھ کہا ہوتا۔ کیا ایسا یاوہ خیال

قرآن کی ضرورت ثابت کرے گا؟اول خوب غور سے دیکھو پولس رسول ہونے سے پیشتر کیا تھا۔ مسیح کی کلیسیا کا کیسا مخالف تھا۔ پس اس کو ماننے اور نبی بننے میں کیا نفع تھا۔ آپ کے خیال کے بر خلاف ظاہر ہے کہ آسمانی نور سے اندھا ہو گیا اور دوسرے شخص کے وسیلے بینا ہوا اور بعدہٗ اپنے رسول ہونے کے قوی ثبوت دیئے جن سے اس کے ہم عصروں کے منہ بند ہوئے۔ مگر آپ کے خیال کا کیا ثبوت ہے، عجب چکر کھا رہے ہو۔

پھر بندہ نے تحریر کیا تھا کہ بائبل کی موجودگی کے مقابلہ میں قرآن کی ضرورت اسی بنا پر ہونی چاہیئے جس طرح بائبل کی کتاب نیچر کے مقابلہ میں ہے۔ اس بنا پر تو آپ قرآن کی ضرورت ثابت کرنے سے کتراتے ہیں یا کم ترین کا مدعا نہیں سمجھے اور بادیدہ و دانستہ شرمساری کو چھپانے کی خاطر اپنی عادت کے موافق بائبل ہی پر ادھر ادھر اعتراض کر دیئے ہیں اور اس کے جواب میں یوں لکھتے ہیں۔

قَولُہ۔ نیچر کے معنی ہیں قانون قدرت۔ سو بائبل قانون قدرت کے خلاف ہے۔ چنانچہ کتاب واعظ ۱۰:۲ میں خلاف نیچر کے صاف لکھاہے کہ "حکیم کا دل اس کی دہنی طرف ہے"۔ دیکھئے دہنی طرف دل کا ہونا صریح نیچر کے خلاف ہے۔

اقول۔ کہیے صاحب کیا یہ میری تحریر کا جواب ہے؟ مجھے تو آپ ناواقف اور جو کچھ جی میں آتا ہے کہتے ہیں اور اپنی سمجھ کا یہ حال ہے۔ اس جملہ کا باقی حصہ یہ ہے "پر احمق کا دل اس کے بائیں ہے"۔ یہ لفظ ہی ظاہر کرتے ہیں کہ دل کی جگہ سے مراد نہیں ہے کہ انسان کی دہنی طرف یا بائیں طرف موضوع ہے۔ اِلّا حکیم کے دل کو دہنی طرف اور احمق کے دل کو بائیں طرف کہا ہے، چونکہ دہنا ہاتھ بائیں کی نسبت زیادہ کارآمد ہوتا ہے اس لئے حکیم کے دل کو دہنے ہاتھ یا طرف کہنے سے اس کے دل کی عملی حالت کو ظاہر کیا ہے یعنی وہ کام ظاہر کرتا ہے۔ آپ یونہی خلاف نیچر پکار اٹھے۔ دوسرا مقام آپ غزل الغزلات ۴:۱ یوں پیش کرتے ہیں "اے محبوبہ تیری آنکھیں تیرے ستر کے پیچھے ہیں"۔ دیکھئے آنکھوں کا ستر کے پیچھے ہونا بھی خلاف نیچر ہے۔ معلوم ہو کہ آپ نے سالم عبارت بیان نہیں کی اور وہ یوں ہے "تیری آنکھیں تیری چادر (یا ستر) کے پیچھے کبوتروں کی سی ہیں" یا "تیری آنکھیں تیری زلفوں کے درمیان کبوتروں کی سی ہیں"۔ چادر کو آپ نے ستر لکھا ہے اور ستر کے معنی ہیں پردہ۔ پس تو آنکھوں کا چادر یا پردے کے پیچھے ہونا کیونکر خلاف قانون قدرت ہوا۔ عورتوں کی چادر یا زلف منہ پر پڑنے سے آنکھیں ان کے پیچھے ہو جاتی ہیں۔ یہاں قانون قدرت کا کیا ذکر ہے۔ قانون قدرت آنکھوں کا چادر کے پیچھے آجانے کا مانع نہیں ہے اور پھر اگر چادر کی بجائے زلفوں پڑھیں جیسا انگریزی ترجمہ میں ہے اور اردو ترجمہ کے حاشیہ پر ہے، تو چادر یا ستر والا بیان ضروری نہیں ہے۔ پس آپ کا بائبل کو ان مثالوں کی رو سے خلاف نیچر خیال کرنا باطل ورائیگاں ٹھہرا اور قرآن کے فضول ہونے میں کچھ کمی بیشی نہیں آئی۔ جس بات سے آپ نے جی لگایا وہ سامنے ہی رہی یعنی بائبل کے ہوتے ہوئے قرآن کی ضرورت اسی بنا پر ہونی چاہیئے جس طرح کتاب نیچر کی موجودگی میں بائبل کی ہے۔ یاد رہے کہ محمدیوں کو سمجھانے کے لئے ضروری نہیں کہ نیچر کے مقابل میں بائبل کی ضرورت ثابت کریں۔ اس بات پر گفتگو ان لوگوں سے نسبت رکھتی ہے جو الہام الٰہی کے قائل نہیں اور مذہب طبعی پر شاکر ہیں۔ لیکن یہ بات کہ بائبل موجود ہے تو قرآن کی کیا ضرورت ہے محمدی عیسائیوں پر ثابت کریں۔ مگر ہماری طرف اس بات کا خاطر خواہ ثبوت دیا گیا ہے کہ قرآن مجید فضول ہے۔

پھر جو کچھ ازیں جانب اللہ دیا صاحب کی ان مثالوں کے جواب میں لکھا گیا تھا جن کا آپ نے دوبارہ اور سہ بارہ اور پانچ بارہ لکھا جانا پیش کر کے قرآن میں مضامین بائبل وغیرہ کے تکرار کے لیے آسرا ڈھونڈا تھا۔ اس کو آپ کہتے ہیں کہ معہ رد الجواب بیان کرتا ہوں اور آپ کے جواب حسب ذیل ہیں۔

قولہ۔ بھلا پادری صاحب یہ تو خداوند تعالیٰ نے خاص قوم بنی اسرائیل کی خاطر دوبارہ احکام توریت مقدس میں نازل فرمائے۔ کیا آپ عیسائی صاحب بھی خاص قوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، کیونکہ سوائے توریت کے عیسائیوں کی خاطر بھی وہی حکم حرمت خونی میں سہ بارہ انجیل اعمال الرسل ۱۵: ۲۰ میں موجود ہے۔

اقول۔ واضح ہو کہ انجیل میں اس حکم کے سہ بارہ بیان کیے جانے کی قوی وجہ اور ضرورت بیان کی گئی تھی۔ شاید اس پر سے نظر پھسل گئی ہو اس لئے آپ کے سوال کا پھر جواب دیا جاتا ہے۔

اول یہودی کلیسیا کے خارج ہونے پر مسیحی کلیسیا قائم ہوئی تو وہ خصوصیت لزوماً موخر میں تبدیل ہوئی اور اس کے موافق یوں لکھا ہے کہ "تم بھی زِندہ پتھروں کی طرح رُوحانی گھر بنتے جاتے ہو تا کہ کاہِنوں کا مُقدّس فِرقہ بن کر اَیسی رُوحانی قُربانیاں چڑھاؤ جو یِسُوع مسیح کے وسیلہ سے خُدا کے نزدِیک مقبول ہوتی ہیں۔ چُنانچہ کِتابِ مُقدّس میں آیا ہے کہ دیکھو۔ مَیں صیون میں کونے کے سرے کا چُنا ہُؤا اور قیمتی پتھر رکھتا ہوں جو اُس پر اِیمان لائے گا ہرگز شرمِندہ نہ ہو گا۔ پس تُم اِیمان لانے والوں کے لئے تو وہ قیمتی ہے مگر اِیمان نہ لانے والوں کے لئے جس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا وُہی کونے کے سِرے کا پتھر ہو گیا۔ اور ٹھیس لگنے کا پتھر اور ٹھوکر کھانے کی چٹان ہُؤا کیونکہ وہ نافرمان ہو کر کلام سے ٹھوکر کھاتے ہیں اور اِسی کے لِئے مُقرّر بھی ہُوئے تھے۔ لیکن تُم ایک برگُزِیدہ نسل۔ شاہی کاہِنوں کا فِرقہ۔ مُقدّس قَوم اور اَیسی اُمّت ہو جو خُدا کی خاص مِلکِیت ہے تا کہ اُس کی خُوبیاں ظاہِر کرو جِس نے تمہیں تارِیکی سے اپنی عجِیب روشنی میں بُلایا ہے۔ پہلے تُم کوئی اُمّت نہ تھے مگر اب خُدا کی اُمّت ہو۔ تُم پر رحمت نہ ہُوئی تھی مگر اب تُم پر رحمت ہُوئی" (۱۔ پطرس ۲: ۵۔ ۹، ۱۰)۔ پھر رومیوں ۹: ۲۴، ۲۵، ۲۶ "یعنی ہمارے ذرِیعہ سے جِن کو اُس نے نہ فقط یہُودیوں میں سے بلکہ غَیر قَوموں میں سے بھی بُلایا۔ چُنانچہ ہوسیع کی کِتاب میں بھی خُدا یُوں فرماتا ہے کہ جو میری اُمّت نہ تھی اُسے اپنی اُمّت کہوں گا اور جو پیاری نہ تھی اُسے پیاری کہُوں گا۔ اور اَیسا ہو گا کہ جِس جگہ اُن سے یہ کہا گیا تھا کہ تُم میری اُمّت نہیں ہو اُسی جگہ وہ زِندہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے"۔ پس دیکھو خدا نے عیسائیوں کو خاص قوم کر لیا ہے۔ ہمارے محض دعویٰ کی کیا حیثیت ہوتی۔

دوم مسیح میں احکام رسمی ختم ہوئے اور اگر یہ حکم پھر انجیل میں بیان نہ کیا جاتا تو انہیں میں گردانا جاتا اور خون سے پرہیز کرنے کی پابندی نہ ہوتی۔ مگر چونکہ اس حکم کی زیادہ تعمیل منظور تھی خدا نے اسے انجیل میں پھر مندرج کروایا اور یوں آذروں میں سے اسے دوام بخشا۔ پس قرآن جیوں کا تیوں فضول ہی رہا۔

قَولُہ۔ جب عیسائیوں کو مخصوص قوم ہونے کے سوائے سہ بارہ وہی حکم صادر ہوئے اگر آنحضرت محمد صاحب کو بسبب اولاد ہونے حضرت ابراہیم کے چوتھی بار احکام نازل فرمائے تو پادری صاحب کا کیا جرح ہے۔

اقول۔ کیا اس سبب سے سارے ہی احکام چوتھی بار فرمانے تھے۔ کیوں، کیا ضرورت تھی؟ اگر حضرت کو ابراہیم کی اولاد سے ہونے کا کچھ فخر تھا تو بنی اسرائیل کی کتاب کو مانتے نہ کہ انہی کی کتاب کی باتوں کو اپنے الہام کے ذمہ لگاتے۔ ان کا ایسا کرنا بالکل فضول تھا۔ مگر ہمارے جواب مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ عیسائی مخصوص قوم کے سوائے نہیں بلکہ اب مخصوص قوم وہی ٹھہرائے گئے ہیں۔ اس لیے اس طرف سے آپ کی بات کی شکست ہے اور پھر جب کہ وہ پہلی رسوم اور نشانیاں مسیح میں پوری ہو گئیں جس تکمیل کا ثبوت انجیل میں خدا نے نہ فقط قولاً بلکہ فعلاً بھی ظاہر کیا ہے اور جبکہ مسیحی قوم میں نسل ابراہیم کے لحاظ کو ضائع کیا اور ایمان مسیح پر قومی خصوصیت ٹھہرائی گئی اور جس خصوصیت میں دنیا کی ہر ایک قوم شریک ہو سکتی ہے۔ دیکھو کلسیوں کے نام خط ۳: ۱۱ تو پھر لونڈی والی اولاد کو جو وعدے کے فرزند نہیں ہیں اور جن کی نسبت پیدائش ۱۶: ۱۲ اور ۱۷: ۲۰ والی بات کے سوائے اور کوئی وعدہ ہی نہیں ہے۔ پھر وہ احکام کیونکر فرمائے جاتے۔ ضرورت ہی کیا تھی اور اس میں بندہ کا کچھ جرح نہیں، ہرج تو قرآن کا ہے جو بلا ضرورت ان احکام اور احوال سے اپنی وحی کا منہ بھرتا ہے اور یوں اپنے تئیں فضول ٹھہراتا ہے۔

قَولُہ۔ یہ پادری صاحب کا محض جھوٹ ہے۔ اگر پادری صاحب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہم کو توریت میں نشان دیں جہاں اللہ صاحب نے قوم بنی اسرائیل کو یہ فرمایا ہو کہ تم پہلے انبیا علیہم السلام کے حکموں کو جو ہم نے ان کو بذریعہ الہام عطا کیے ہیں، ہرگز عمل نہ کریو۔

اقول۔ واضح ہو کہ بندہ نے اس امر کو بخوبی ظاہر کیا تھا کہ اس حکم کی تکرار توریت میں خاص سبب سے ہوئی تھی اور کہ جو کچھ توریت میں مندرج ہوا وہی بنی اسرائیل کے لیے قانون ہدایت تھا۔ اس پر اللہ دیا صاحب مجھے جھوٹا کہتے ہیں مگر جھوٹ کو ثابت نہیں کرتے ہیں، کیونکہ یہ بات تو آپ نے ثابت کرنی تھی کہ دیکھو فلاں مقام جہاں خدا نے سوائے توریت کے علاوہ احکام پر جو توریت میں نہیں لکھے گئے اور پہلوں کے فرمائے ہوئے ہیں عمل کرنے کو فرمایا۔ مگر آپ نے یہ تو نہ کیا اور مجھے جھوٹا کہنے میں جھٹ سے منہ کھول دیا۔ پر خیر دیکھو استثنا ۵: ۳۳ "تم اُس سارے طرِیق پر جِس کا حکم خُداوند تمہارے خُدا نے تم کو دِیا ہے چلنا تا کہ تُم جیتے رہو اور تمہارا بھلا ہو اور تمہاری عُمر اُس مُلک میں جِس پر تُم قبضہ کرو گے دراز ہو" اور بھی دیکھو ۴: ۴۰؛ ۷: ۱۱؛ ۱۰: ۱۳۔ پس صاحب آپ ہی پھر سوچیں کہ جھوٹا میں ہوں یا آپ ہیں۔

قَولُہ۔ اب میں پادری صاحب سے دریافت کرتا ہوں کہ ایک ہی تمثیل کو بکثرت بیان کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو اللہ صاحب کو اس تمثیل کی تاکید زیادہ بیان کرنا منظور تھی اس واسطے یہ تمثیل بار بار بیان کی گئی۔ سو یہی تاکید قرآن شریف کے احکام بیان کیے جانے پر تصور کی جائے یا پہلے حواری کے بیان کا اعتبار نہیں تھا جو دوسرے اور تیسرے بیان کنندہ کی حاجت ہوئی۔

اقول۔ یاد کرو صاحب کہ بندہ نے آپ کے اعتراض سے پہلے ہی بیان کیا تھا کہ ثقاہت کے معاملہ میں حضرت محمد صاحب کی کیا حیثیت ہے یعنی پہلی باتوں کی تاکید یا تصدیق کرنے کے لائق نہ تھے اور نہ اس امر کی ضرورت باقی تھی۔ پھر یہی تو سوال ہے کہ جس حال وہ پہلے احکام اور واقعات طرح بہ طرح مسلم الثبوت تھے تو قرآنی تکرار اور تصدیق کی مطلق ضرورت نہ تھی اوراسی بات میں آپ حضرت کے لئے پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ مسیحی اور بے دین محقق بھی جب بائبل کے واقعات کی تحقیق کرتے ہیں تو وہ قرآن کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔صاحب من آپ اس بات کا خیال کیوں نہیں رکھتے کہ قرآن کی بنفسہٖ کیا ضرورت تھی۔بے شک بڑے اندھیر کی بات ہے اگر بائبل کے ہوتے ہوئے خدا قرآن جیسی کتاب نازل کردے۔خدا اور انسان کو اس سے کیا حاصل ہوگا؟ایسی فضول کتاب سے بچو۔

الحاصل قرآن کے حامیوں کے الزامی اعتراض جن سے وہ عدم ضرورت قرآن کے برخلاف قرآن کی ضرورت ثابت کرنا چاہتے تھے تحقیقی طور پر رد ہوئے اور امید ہے کہ یہ لوگ آیندہ ہوشیار رہیں گے۔اب آیئے ہندوستان کے محمدیو!کیا سوچ کے محمدیت میں قائم ہو۔تمہارے ہندو آبا جن میں سے بعضوں نے جہالت اور بائبل کی ناواقفی کے سبب قرآن کو جیسے تیسے مان لیا اور بعضوں سے جبراً منوایا گیا قرآن کی اس کیفیت سے ناواقف تھے جو عیسائیوں نے تم پر ظاہر کی ہے۔پس اس کو چھوڑو۔یہ ہمیں تمہیں زیب نہیں دیتا ہے اور بائبل کی پیروی کرو جو بذات خود ایک کامل ہدایت اور قرآن کا مخرج ہے۔بھائیو سوچو!

ضرورت قرآن کے لئے محمد صاحب کے اقوال

ہم نے پیروؤں کی دلیلیں ضرورت قرآن کے لیے سنیں، اب حضرت محمد صاحب کی بھی سنیں کہ وہ اس بات کے لیے کیا وجہ پیش کرتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(ا)سورۃ انعام رکوع ۲۰ آیت ۱۵۵۔۱۵۷"اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی۔اس واسطے کہ کبھی کہو کتاب جو اتری تھی سو دو ہی فرقوں پر ہم سے پہلے اور ہم کو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی۔یا کہو کہ اگر ہم پر اترتی کتاب تو ہم راہ چلتے ان سے بہتر"۔اس کے مطابق دیکھو سورہ قصص رکوع ۵ آیت ۴۶،۴۷یعنی ان لوگوں میں پہلے کوئی کتاب نہیں آئی تھی اس لئے محمد صاحب اپنے اہل وطن کے لئے قرآن لے کر آئے۔

جاننا چاہیئے کہ لوگوں نے یہ سوال یا درخواست کسی رسول یا کتاب کے لیے نہیں کی تھی۔چنانچہ قرآن کی آیتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے، لیکن خود محمد صاحب لوگوں کی طرف سے بناوٹی سبب قرآن کے اترنے کا پیش کرتے ہیں یعنی پیش دستی سے خود ہی اگر مگر لگا کر لوگوں کی خواہش فرض کی ہے۔حالانکہ لوگ کہتے تھے کہ ہم توریت و قرآن دونوں کو نہیں مانتے(سورہ قصص آیت ۴۸) پھر یہ کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے یہ

قرآن اور نہ اس سے اگلا (سورہ سبا رکوع ۴ آیت ۳۰) اور اس قرآن کی نسبت یہ کہا کرتے تھے کہ کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لیا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس شام و صبح (سورہ فرقان رکوع پہلا) یاد رہے کہ اس بات کی محمد صاحب نے تردید بالثبوت نہ کی صرف اپنا معمولی دعویٰ سنا دیا تھا۔ پس جس حال کہ منکروں کا اس قرآن کی نسبت یہ گمان تھا تو ایسی کتاب کے لئے وہ کیونکر آرزو کرسکتے تھے۔ کچھ نہیں صرف محمد صاحب نے آپ ہی لوگوں کی طرف سے آرزو فرض کرکے کہا کہ کبھی تم ایسا کہنے لگو کہ اے رب ہمارے وغیرہ اور پھر یہ کہ اگر ہم پر اترتی کتاب، الخ۔ اس واسطے ہم نے اتاری ہے یہ کتاب۔ ظاہراً یہ فرضی آرزو قرآن کے اترنے کا کوئی سبب نہیں ہوسکتی۔ اگر ان کی آرزو اس کے نزول کی ضرورت کی وجہ تھی تو ان کی عدم خواہش اس کی عدم ضرورت قائم کرتی ہے اور وہ عدم خواہش بلکہ صریح انکار قرآن ہی سے ثابت ہے، مگر آرزو ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن کے نزول کے لیے محمد صاحب کی یہ وجہ بالکل ناقص ہے۔ ایک فرضی بات ہے۔

اسی طرح حضرت نے اہل کتاب سے کہا تھا۔ دیکھو سورہ مائدہ آیت ۲۲ "اے کتاب والو آیا ہے تم پاس رسول ہمارا توڑا پڑے پیچھے رسولوں کا۔ کبھی تم کہو ہم پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا۔ سو آچکا تم پاس خوشی اور ڈر سنانے والا"۔ یہ بھی ویسی ہی فرضی بات ہے جیسی آپ نے منکروں سے بیان کی تھی اور ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے لیے یہ بالکل کچھ وجہ ضرورت قرآن کے لئے نہ تھی۔ ان کو ایسا خیال کرنے یا کہنے کی حاجت ہی نہ تھی۔ یہودی توریت رکھتے تھے جس کی نسبت محمد صاحب یہود کے سامنے اچھی گواہی دیتے تھے اور توریت میں بھی ان کو توریت ہی کی تعمیل کی ہدایت تاکیدی تھی۔ ایسے لوگوں کی طرف سے ایسی فرضی باتیں پیش کرنا بالکل فضول تھا۔ انبیائے سابقین کے اختتام کے بعد وہ لوگ مسیح کی انتظاری کرتے تھے اور خداوند یسوع کو مسیح نہ مانا اور اپنی اس بے ایمانی کے سبب اب تک کسی مسیح کی انتظاری کرتے ہیں۔ محمد صاحب کے لیے خواہش ظاہر کرنے کی ان کو کیا حاجت تھی جو محمد صاحب ایسی فرضی بات ان کی طرف سے لکھتے ہیں اور پھر عیسائیوں کو تو یہ فرضی آرزو کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی، کیونکہ انجیل میں مسیح کے بعد کسی نبی کتاب والے کی خبر نہیں ہے۔ البتہ مسیح کے مخالفوں کی خبریں ہیں۔ جھوٹے نبیوں کی خبر ہے اور پھر ان کو ایسی آرزو کرنے کے برخلاف قطعی ممانعت تھی، جیسا لکھا ہے کہ "اگر ہم یا آسمان کا کوئی فرِشتہ بھی اُس خُوشخبری کے سِوا جو ہم نے تمہیں سنائی کوئی اور خُوشخبری تمہیں سنائے تو ملعُون ہو" (گلتیوں ۱:۸)۔ اس سے ناظرین سمجھیں کہ انجیل کی رو سے محمد صاحب کو کیسا سمجھنا چاہیئے۔ محمد صاحب نے بالکل پوچ وجہ قرآن کے آنے کی پیش کی۔ دراصل یہ کوئی وجہ ہی نہ تھی کہ جس کے سبب قرآن آیا۔ مگر حضرت کا فرضی خیال ہے۔

پھر اس بات کا خیال کرنا چاہیئے کہ اہل کتاب عموماً قرآن ہی سے ظاہر ہے۔ سورہ مائدہ رکوع ۱۰ آیت ۲۷ "اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ کو اترا تیرے رب سے شرارت اور انکار سو تو افسوس نہ کر اس قوم منکر پر"۔ پھر سورہ عمران آیت ۹۹ "تو کہہ اے کتاب والو کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو ڈھونڈتے ہو اس میں عیب اور تم خبر رکھتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے"۔ سورہ مائدہ آیت ۶۴ "تو کہہ اے کتاب والو کیا بہتر ہے تم کو ہم سے۔ مگر یہ ہی کہ ہم یقین لائے اللہ پر اور جو ہم کو اترا اور جو اترا پہلے"، انتہیٰ۔ پس اس

حال میں وہ کیونکر قرآن جیسی کتاب کی کبھی آرزو کرنے والے تھے۔ وہ تو اس کے انکاری تھے۔ اس کے ساتھ معلوم کرو کہ محمد صاحب نے اہل کتاب کو توریت اور انجیل پر عمل کرنے کی ہدایت دی تھی، جیسا قرآن سے مصرح ہے۔ سورہ مائدہ آیت ۴۷ "تو کہہ اے کتاب والو تم کچھ راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل۔ اور جو اترا تم کو تمہارے رب سے"۔ پھر اسی سورہ مائدہ کی آیت ۴۸، ۵۱ دیکھو آیت ۵۱ میں یوں ہے" اور چاہیئے کہ حکم کریں انجیل والے اس پر جو اللہ نے اتارا اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر سو وہی لوگ ہیں بے حکم"۔ جائے غور ہے کہ ایک طرف تو اہل کتاب قرآن کو مانتے نہ تھے اور دوسری طرف محمد صاحب ان کو توریت اور انجیل پر عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں ۔ تو پھر کیونکر وہ لوگ، وہ فرضی خیال کبھی کرسکتے جو محمد صاحب نے ان کی طرف سے کیا ہے۔ اس صورت میں محمد صاحب کا قول قرآن کے حق میں بالکل رائیگاں ہے۔ فضول کتاب کے لئے ایک فضول دلیل ہے۔

البتہ ایک جگہ ذکر ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ ہم پر اتار لا کتاب آسمان سے (سورہ نسار کوع ۲۲ آیت ۱۵۲)۔ حضرت نے ان کا سوال تو پورا نہ کیا مگر کہہ دیا کہ مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بڑی چیز، الخ۔ مانگنے پر تو کوئی کتاب نہ دی مگر خوانخواہ فرض کیا کہ کبھی تم کہو کہ ہم پاس نہ آیا کوئی ڈر سنانے والا، الخ۔ الحاصل محمد صاحب کا یہ قول قرآن کی ضرورت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

(۲) سورہ نحل رکوع ۸ آیت ٦٦ "اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول سنائے ان کو جس میں جھگڑ رہے ہیں"۔ پھر سورہ مائدہ آیت ١٦ " اے کتاب والو آیا تم پاس رسول ہمارا کھولتا تم پر بہت چیزیں جو تم چھپاتے تھے کتاب کی اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے"۔

واضح ہو کہ جب ہم نے اس رسول کو اس قول کی صداقت کے لیے آزمایا تو اسے ان باتوں کی نسبت غلط کار اور ناواقف پایا جن کی نسبت لوگ جھگڑتے اور جن کو چھپاتے تھے، مثلاً مسیح کی الوہیت کی نسبت جو بیان محمد صاحب نے کیا ہے اس کا موجب تعلیم انجیل سے محض ناواقفی تھی۔ اگرچہ محمد صاحب کہتے تھے کہ جو میں کہتا ہوں وہ تحقیق بات ہے، مگر اصل بنا اس کی ناواقفی تھی (دیکھو رسالہ ہٰذا فصل پنجم دفعہ ٦)۔

پھر مسیح کے مصلوب ہونے کی نسبت محمد صاحب نے کہا کہ "جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہے میں پڑے ہیں، کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا اور اس کو مارا نہیں بے شک بلکہ اس کو اٹھایا اللہ نے اپنی طرف اور نہ اس کو مارا ہے، نہ سولی دیا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے" (سورہ نسار کوع ۲۲ آیت ۱۵٦، ۱۵۷)۔ اس میں بھی محمد صاحب نے صریح غلطی کی ہے اور جھگڑے کو منکشف کرنے میں آپ نے بدعتیوں کا ساتھ دیا ہے جنہوں نے اس بات میں انجیل مقدس کے ساتھ اختلاف کر رکھا تھا۔ اس لئے محمد صاحب کا دعویٰ کہ قرآن اس لئے آیا کہ کھول سنائے جس میں جھگڑ رہے ہیں، بالکل فضول اور غلط ہے۔ آپ کو اس بات کی صحیح خبر ملی ہی نہیں اور غلط سنا دیا اور اس لئے قرآن بے فائدہ آیا (دیکھو رسالہ ہٰذا فصل پنجم دفعہ ۷)۔

پھر دین ابراہیم کی نسبت اہل کتاب کے جھگڑے پر جو آپ نے سورہ عمران رکوع ۷ میں بیان کیاہے وہ یہودیوں کی طالمود کا بیان ہے اور وہی حضرت نے اپنے فیصلے میں سنادیا(دیکھو رسالہ ہٰذا فصل پنجم دفعہ ۳)۔غالباً یہود اور عیسائی ابرہام کے یہودی یا عیسائی ہونے کی نسبت جھگڑے ہوں گے۔ حقیقت میں دونوں درست تھے۔ مگر محمد صاحب نے توریت اور پھر انجیل کی ناواقفی کے سبب کہہ دیا کہ وہ نہ یہودی تھا نہ نصاریٰ کیونکہ توریت اور انجیل اس کے بعد اتری تھیں اور اس میں لطف یہ ہے کہ اپنی مناسبت ابرہام کے ساتھ پیش کردی۔ حالانکہ قرآن انجیل سے بھی پیچھے آیاہے۔ اچھی خبر رکھتے تھے جو اس طرح کی کارروائی کی! پس اس امر میں محمد صاحب نے نہ صرف نقل بلکہ غلطی بھی کی ہے۔

یہی حال ان باتوں کا ہے جن کی نسبت کہاہے کہ لوگ چھپاتے تھے۔ حضرت محمد صاحب سمجھتے تھے کہ اگلی کتابوں میں میری نسبت خبر ہے اور ان کا اشارہ انہیں خبروں کی طرف ہے جب کہتے ہیں کہ لوگ چھپاتے تھے کتاب کی بات۔ چنانچہ کئی ایک موقع پر آپ نے اس بات کو ظاہر بھی کیا تھا۔ چنانچہ سورہ اعراف رکوع۱۹ آیت۱۵۸"وہ جو تابع ہوتے ہیں اس رسول کے جو نبی ہے امی جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں"۔ پھر سورہ صف آیت ۶"اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے تورات اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی جو مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد"۔ ظاہر ہے کہ توریت میں محمد صاحب کی بابت خبر نہ تھی۔ البتہ یہودی خداوند یسوع کو مسیح نہ ماننے کے سبب کسی اور مسیح کی انتظاری کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ محمد صاحب نے اس امر میں ان لوگوں کے فریب میں آکے یہ بات کہی تھی اور انجیل میں سے عیسیٰ کی زبانی جو خبر اپنی نسبت پیش کی ہے ،وہ انجیل میں نہیں ہے۔ اس لیے محمد صاحب نے غلط کہاہے، ورنہ لوگوں نے یہ بات چھپائی نہ تھی اور ایک جعلی انجیل میں جو برنباس کی کہلاتی ہے ،یہ ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ انجیل برنباس مسیح کے بعد پانچویں صدی میں سننے میں آئی تھی اور زمانہ محمد صاحب میں اس میں کسی عیسائی محمدی نے یہ باتیں بڑھائیں اور اس انجیل برنباس کا جھوٹا ہونا اور طرح سے بھی ثابت ہے(دیکھو رسالہ ہٰذا فصل پنجم دفعہ ۷ اور اسی فصل کا ضمیمہ اور بھی دیکھو اظہار عیسوی جلد دوم باب ۳ فصل ۳)۔ غرض کہ محمد صاحب نے اہل کتاب پر یہ عیب لگایاہے کہ تم چھپاتے ہو کتاب کی باتیں حالانکہ وہ چھپاتے نہ تھے۔ لیکن ان کی کتابوں میں وہ باتیں نہیں تھیں۔ پس ظاہر ہے کہ محمد ﷺ نے بہت خبریں کھولنے میں بہت غلطیاں بھی کی ہیں جن میں سے کئی ایک رسالہ ہٰذا کی فصل چہارم وپنجم کے ملاحظہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس لیے اہل کتاب قرآن جیسی کتاب کے نہ خواہش مند ہوئے تھے اور نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں ۔پس معلوم ہوا کہ یہ قول بھی محمد صاحب کا فضول گوئی میں داخل ہے اور قرآن کی ضرورت کے لئے محمد صاحب کی وجہ اور بھی ناقص ہے۔

تنبیہ

جاننا چاہیئے کہ اگر ہر قوم میں صحیح امور اخلاقیہ کی نسبت موافقت ہو تو کچھ عجب نہیں کیونکہ موافقت ہونی ضروری ہے۔ زیرا کہ ہر قوم ایک ہی اصل کی نسل ہے اور وہ اصل خواہ آدم، خواہ نوح کو تصور کرلو۔ حق تعالیٰ نے انسان کے باطن میں یہ باتیں گویا لکھ دی تھیں، مگر برگشتگی اور ایک دوسرے سے علیحدگی کے سبب امور اخلاقیہ میں متفرق قسم کے تصور اور اختلاف پڑ گئے۔ صحیح علم کی ناقص حالت ہوگئی اور یہ واقعی بات

ہے کہ اس حال میں اخلاق کے بگاڑ کی مختلف صورتیں ہو گئی ہیں، مگر صحیح اخلاق کی ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر قوم میں موافقت ہے اور ہونی لازم ہے۔ پس جب اللہ حق تعالیٰ نے کامل اور صحیح اخلاق دوبارہ جتانا مناسب جانا اور ویسا ہی کیا تو اس میں صرف یہی بات شامل نہ ہوئی کہ ناقص کی صحت ظہور میں آئے اور بس۔ اس مرض کی دوا تو ضرور تھی لیکن اس میں کل اخلاق کی تعلیم شامل ہے یعنی وہ امور جن کی صحت قائم تھی اور وہ جن کی تصحیح کی گئی ہر دو قسم شامل ہیں۔ صحیح اخلاق ایک مکمل قانون اخلاق ظاہر کرنے کے لحاظ سے ترمیم شدہ کے ساتھ پھر بیان کیا گیا اور اس کی تکرار سے یہ دھوکا کہ شاید ترمیم شدہ امور ہی کل رسم اخلاق ہوں گے، دور ہوا۔ اب اس حال میں جس قدر صحیح اخلاق کسی قوم یا سب قوموں میں باقی تھا یا ہے (یعنی جہاں الہام نہیں پہنچا) ضرور اس مشاہدہ کے موافق ٹھہرے گا جو خدا نے گویا دوبارہ انسان کو بتایا یعنی صحیح اخلاق خواہ وہ الہامی کتابوں میں ہو خواہ غیر الہامی میں ضرور موافق ہو گا۔ خواہ وہ غیر الہامی کتابیں یا روایتیں الہام سے پہلے کی ہوں۔ اب واضح ہو کہ یہ ہر گز خیال نہ کیا جائے کہ صیغہ اخلاق میں ہم ہر قوم کے صحیح اخلاق کی عدم ضرورت مد نظر رکھے ہوئے ہیں، ہر گز نہیں (البتہ ان قوموں کو ہماری طرف سے یہ آواز ہے کہ اب اس ہادی کامل کی طرف رجوع کریں)۔ لیکن غرض یہ ہے کہ قرآن جو بائبل سے بیشتر نسبت دکھاتا ہے اس کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ بائبل میں ہر قصور و فتور کو جو اخلاق میں پڑ گیا تھا صحیح کر کے معاً اجزائے اخلاق کے جن میں صحت باقی تھی ایک کامل اور صحیح قانون ظاہر کیا ہے۔ تو پھر اس حال میں قرآن کی کیا ضرورت ہوئی ؟اور پھر بڑے غضب کی بات ہے کہ اسی بائبل کے اخلاق وغیرہ کو (جھوٹ باتیں اور غلط اخلاق کی اَور جگہ سے سیکھا) قرآن میں بیان کر کے محمد صاحب نے صرف اپنے نبی ہونے کا دعویٰ ظاہر کیا ہے۔ ہاں صرف اپنا یہ شوق پورا کیا ہے، ورنہ قرآن کی کسی امر کے لئے ضرورت نہ تھی۔ بائبل کا مقابلہ نیچر اور اہل نیچر سے ہے اور قرآن کا بائبل سے ہے۔ پس قرآن کی ضرورت بائبل کے مقابلہ میں قائم کرنی چاہیئے۔ مگر کیا ضرورت ثابت ہو گی، اس کی تو قرآن تعظیم بجالاتا ہے۔ بے شک قرآن والوں کی حالت پر ہم کو دل سے افسوس ہے۔ کیوں یہ لوگ بائبل کو چھوڑے ہوئے ہیں اور اس کے بر خلاف ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور ایک فضول کتاب کے جوئے میں سر دیا ہوا ہے۔ اے برادران ہم نے آگاہ کر دیا ہے، آگے تم جانو۔

خیال رہے کہ ہر ایک وثیقہ (معاہدہ) اپنی مطلب بر آری (کام نکالنا) کے لئے اپنی اپنی طرز بیان اور طرز ثبوت رکھتا ہے اور اپنی ایک دفعہ کی کہی ہوئی بات کو دوسرے موقع پر ضرورت کے موافق دوبارہ اور سہ بارہ پیش کر سکتا ہے، جیسا کل عہد عتیق ایک وثیقہ ہے اور ایک بیان یا نبوت یا تعلیم کو دوسرے موقع پر بیان کر کے تائید اور تشریح کرتا ہے۔ یا ویسے ہی بیان کا موقع دیکھ کر ایسی تکرار ظہور میں آتی ہے یعنی اپنے مطلب کو ہر صورت اور ہر موقع سے پورا کرتا ہے۔ اسی طرح عہد جدید میں ہے اور ایسا ہی قرآن میں ہے۔ ہمارا مطلب نہ تھا کہ قرآن میں ایک بیان کو اس کے اسی قسم کے دوسرے بیان سے فضول ٹھہرائیں، یہ دیکھ کر کہ قرآن میں ایسی تکرار کی مثالیں کثرت سے ہیں۔ لیکن یہ کہ قرآن ایک جدا اور نیا وثیقہ بجائے خود ہونے کا مدعی ہے اور اس حیثیت میں ہو کر مواثیق (میثاق کی جمع) سابقہ کے مقابل میں اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں خیال رہے کہ عہد عتیق میں توریت، زبور، امثال، یسعیاہ، یرمیاہ اور دانی ایل وغیرہ علیٰحدہ علیٰحدہ وثیقے نہیں ہیں اور نہ انجیل میں اناجیل اربع، اعمال الرسل اور نامجات وغیرہ جدا جدا وثیقے ہیں اور نہ قرآن میں ہر ایک سورۃ یا ہر ایک سی پارہ بجائے خود کامل قرآن ہے۔ مگر یہ کل کتاب کے ترکیبی یا اثباتی اجزا ہیں۔ پس محمدی ناحق ہمارے بیان سے تنگ ہوتے ہیں اور اصل مطلب سے کتراتے ہیں اور لاچاری کی علامتیں ظاہر کرتے ہیں، جب کہہ بیٹھتے ہیں کہ عہد عتیق یا جدید میں فلاں بیان کی تکرار آئی ہے اور اس لئے فضول ہے۔ ان کے جواب میں ہم بھی قرآن کی ایک سورۃ کو دوسری سے فضول ثابت کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ہماری غرض نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ کل قرآنی انتظام بائبل مقدس کے سامنے فضول ہے اور اس امر کو ہم نے

ثابت کیا ہے اور نیز ان باتوں کا بھی جواب تحقیقی دیا گیا جو الزاماً اور نافہمی مدعا کے سبب پیش کی گئی تھیں اور ہمارا مطلب یا دعویٰ جیوں کا تیوں قائم و ثابت ہے کہ بائبل کے مقابل میں یا اس کی موجودگی میں قرآن سراسر فضول کتاب ہے اور یوں ہی حق ہے۔

فصل ہشتم

پہلا حصہ

وہ نبی پر گفتگو

سوال عبد المجید صاحب(ایڈیٹر صاحب سلامت)

بعد سلام کے التماس یہ ہے کہ ان چند سطروں کو اپنے اخبار میں جگہ دے کر ممنون فرمایئے۔وہ یہ ہیں کہ اخبار نور افشاں نمبر ۲۲ جلد ۸ مطبوعہ ۲۷ مئی ۱۸۸۰ء صفحہ ۱۷۳ مضمون بعنوان قرآن کی عدم ضرورت منجانب ٹھاکر داس عیسائی میری نظر سے گزرا۔لہٰذا میں نے بھی مناسب جانا کہ صرف دو بات ٹھاکر داس صاحب سے دریافت کروں۔اول، یہ کہ انجیل یوحنا ۱: ۲۰ "تو اُس نے اِقرار کیا اور اِنکار نہ کیا بلکہ اِقرار کیا کہ مَیں تو مسیح نہیں ہُوں"۔(آیت ۲۱)"اُنہوں نے اُس سے پُوچھا پھر کَون ہے ؟ کیا تُو ایلیاہ ہے ؟ اُس نے کہا مَیں نہیں ہُوں۔کیا تُو وہ نبی ہے ؟ اُس نے جواب دِیا کہ نہیں"۔اب ۱۹ ویں صدی عنقریب گزرنے والی ہے کیا آج تک وہ نبی نہیں آیا۔اب آپ کو لازم ہے کہ اس نبی کا نشان دیں ۔دوسرے یہ کہ آپ کے نزدیک قرآن شریف تصنیف انسانی ہے تو مہربانی فرما کر ایک دو صفحہ مثل قرآن شریف کے بنا کر پیش کیجئے اور جب یہ دونوں امر ایسے انجام کو نہ پہنچے تو آپ ہی فرمایئے کیا آپ کو اور آپ کی کتاب کو سچا سمجھا جائے گا،ہر گز نہیں اور جو آپ صرف تو تو میں میں کے پھیر میں ہوں تحقیقات کے درجہ میں نہ آئیں تو آپ کو اختیار ہے،خوب خلق ہنسائی کیجئے۔جس وقت آپ کی جانب سے دونوں امر متذکرہ بالا کامل طور پر تحقیق ہو جائیں گے آپ کی تحریر نمبر ۲،۳،۴ کا جواب شافی دیا جائے گا۔(راقم عبد المجید محرر کوٹھی افیوں شاہ جہاں پور)۔

جواب پادری صاحب۔"وہ نبی" سے کنایہ اس نبی کی طرف ہے جس کی استثنا ۱۸: ۱۵،۱۸ میں خبر ہے اور وہ مسیح عیسیٰ ہے۔اِلّا یاد رہے کہ بعض یہود کا گمان تھا کہ وہ نبی مسیح سے علیٰحدہ اور ایک اَور ہی نبی ہے جو آنے والا تھا۔یوحنا ۱: ۲۰،۲۱ اس نے اقرار کیا۔۔کہ میں مسیح نہیں ہوں۔۔۔پس آیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا نہیں۔پھر یوحنا ۷: ۴۰۔۴۱ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سنکر کہا بیشک یہی وہ نبی ہے۔ اَوروں نے کہا یہ مسیح ہے اور بعض نے کہاں کیوں؟ کیا مسیح گلیل سے آئے گا؟اور بھی دیکھو ۶: ۱۴۔یہ ان اہل یہود کا خیال تھا اور اس خیال میں اس سبب پڑسکتے تھے کہ کتاب استثنا میں صرف ایک نبی سے بیان ہوا ہے اور نوشتوں کو نہ جان کر سوائے وہ نبی کے زیادہ نہ کہہ سکتے تھے۔

برخلاف ان کے بعضوں کا گمان تھا کہ وہ نبی سے مراد مسیح ہے، جیسا سوخار شہر کی عورت کی باتوں سے ظاہر ہے اور وہ عورت سامری تھی اور سامری سوائے توریت کے اور کتابوں کو نہ مانتے تھے۔ اس کی بابت لکھا ہے "عَورت نے اُس سے کہا مَیں جانتی ہُوں کہ مسیح جو خرِستُس کہلاتا ہے آنے والا ہے۔ جب وہ آئے گا تو ہمیں سب باتیں بتادے گا" (یوحنا۴:۲۵)۔ یہ بات ان لوگوں کو توریت ہی سے معلوم ہوئی اور استثناوالی خبر کے سوائے مسیح کے اس سے بڑھ کر صریح خبر کا نشان نہ رکھتے تھے۔ پھر یوحنا۱:۴۵ میں ہے "فلپُّس نے نتن ایل سے مِل کر اُس سے کہا کہ جس کا ذِکر مُوسیٰ نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے وہ ہم کو مِل گیا۔ وہ یُوسُف کا بیٹا یِسُوع ناصری ہے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض اس نبی اور مسیح کو ایک ہی سمجھتے تھے۔

واضح ہو کہ یہ اختلاف رائے اسی زمانہ میں جس کو پونے انیس سو برس گزر گئے، رفع ہو گیا تھا۔ وہ نبی سے سوائے مسیح کے کوئی اور نبی تصور کرنے کی گنجائش ہی نہ رہی، جیسا کہ مسیح اور اس کے رسولوں کے اقوال سے مصرح ہے جس میں ذرا بھی کلام نہیں ہو سکتا۔

اقوال مسیح

"کیونکہ اگر تُم مُوسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے۔ اِس لئے کہ اُس نے میرے حق میں لکھّا ہے" (یوحنا۵:۴۶)۔ "پھر اُس نے اُن سے کہا یہ میری وہ باتیں ہیں جو مَیں نے تُم سے اُس وقت کہی تھیں جب تمہارے ساتھ تھا کہ ضرُور ہے کہ جِتنی باتیں مُوسیٰ کی توریت اور نبیوں کے صحیفوں اور زبُور میں میری بابت لکھی ہیں پُوری ہوں" (لوقا۲۴:۴۴)۔

اقوال رسل

پطرس رسول خداوند یسوع مسیح کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے اور استثناوالی خبر کا حوالہ دیتا ہے "چنانچہ مُوسیٰ نے کہا کہ خُداوند خُدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پَیدا کرے گا۔ جو کُچھ وہ تم سے کہے اُس کی سُننا۔ اور یُوں ہو گا کہ جو شخص اُس نبی کی نہ سُنے گا وہ اُمّت میں سے نیست و نابُود کر دِیا جائے گا" (اعمال۳:۲۲-۲۳)۔ "لیکن خُدا کی مدد سے مَیں آج تک قائم ہُوں اور چھوٹے بڑے کے سامنے گواہی دیتا ہُوں اور اُن باتوں کے سِوا کُچھ نہیں کہتا جِن کی پیش گوئی نبیوں اور مُوسیٰ نے بھی کی ہے۔ کہ مسیح کو دُکھ اُٹھانا ضرُور ہے اور سب سے پہلے وُہی مُردوں میں سے زِندہ ہو کر اِس اُمّت کو اور غیر قَوموں کو بھی نُور کا اِشتہار دے گا" (۲۶:۲۲-۲۳) اور بھی دیکھو کتاب ہٰذا ۱۷:۳۷۔

اب اے سائل جس حال کہ بائبل اپنی نبوت کا نشان و پتا آپ ہی بتاتی ہے تو یہ کم ترین اس سے زیادہ اور کیا بتائے۔ مصلحت یہی ہے اور خیر بھی اسی میں ہے کہ ایسی نبوت کے خیالی پتے نہ پوچھیں اور نہ بتائیں۔ مگر حسب ضرورت واقعی نشان اور بھی بتائے جاسکتے ہیں۔ بالفعل ان یقینی

نشانوں ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اب بھی آپ کا دل ان فریسیوں کے سوال پر لگا ہو کہ آیا تو وہ نبی ہے؟ اور اگر سمجھو کہ ان کا اشارہ استثناوالی خبر کی طرف نہ تھا تو آپ کو معلوم ہو کہ ان کے خیالی وہ نبی کا بندہ ذمہ دار نہیں ہے۔ اس حال میں وہ کتابی نہ ہونے کے سبب مردود ٹھہرے گا۔

دوسرے سوال۔ میں آپ نے عجب باتیں پیش کی ہیں۔ ہنوز بندہ آپ کے جواب میں اسی قدر اظہار کرتا ہے کہ آج تو آپ نے ایسا سوال کیا کل کو کوئی ہومر کا بالکا یا کالی داس کا حامی یا ملٹن صاحب کا خیر خواہ بھی یونہی کہہ اٹھے کہ دو دو صفحے مثل ان کے بنا کر پیش کرو تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے لئے یہ بہت کام ہو گا اگر نہ کروں ادھر تو قرآن کلام خدا ٹھہرتا ہے اور ادھر ہومر کی ایلیڈر ربانی ہوئی جاتی ہے اور پھر ملٹن صاحب کے خیر خواہ ہونے کا بھی خوف ہے کہ کہیں الہام الہام نہ پکار اٹھیں [1]۔ اس لئے آپ کو خوب طرح معلوم ہو کہ ظاہری سفیدی جس میں انسان کے ہنر کا کمال ہی کیوں نہ ہو اندرونی خوبیوں یا خرابیوں کی نسبت بہت ہیچ جانتا ہوں۔ گھاس پھوس کے جھونپڑے پر ہاتھی دانت کے پارچے کی حیثیت کا بہت ہی کم قدر دان ہوں اور یقین ہے کہ کسی چیز کی عمدگی، پختگی اور فائدہ اسی طریق سے کماحقہٗ، (کما۔ حَق۔قُ۔ ہُو۔بخوبی) دریافت ہو سکتا ہے۔

پھر آپ کہتے ہو کہ جب یہ دونوں امر آپ سے انجام کو نہ پہنچے تو آپ ہی فرمایئے کیا آپ کو اور آپ کی کتاب کو سچا سمجھائے گا۔ ایک کا تو ساتھ ہی جواب شامل ہے اور دوسرا فرض کرو مجھ سے نہ ہو سکے تو کیا اس سے بائبل جھوٹی ٹھہرے گی؟ آپ کیا کہتے ہو؟ کیا اگر پاراڈایز لاسٹ کے موافق ایک اور کتاب نہ بن سکے تو اس سے گبن صاحب کی تواریخ فال آف دی رومن امپائر جھوٹ ٹھہرے گی؟ ہر گز نہیں۔ ذرا نسبت کا تو خیال کیجئے۔

پادری صاحب کا دوسرا جواب۔ پھر آپ نے منشور محمدی مطبوعہ ۵ ذیقعد ۹۷ء میں بندہ کے جواب مسطورہ بالا پر کچھ نہ کچھ تو لکھ ہی دیا۔ مگر وہ جواب ہمارے جواب کے کسی جزو پر اثر نہیں کرتا۔ چنانچہ ہمارے اس قول پر کہ نوشتوں کو نہ جان کر سوائے وہ نبی کے زیادہ نہ کہہ سکتے تھے۔ آپ کا یہ بیان ہے۔

قَولُہ ٗ۔ ان یہود سے جو نوشتوں کو نہ جان کر سوائے "وہ نبی" کے زیادہ نہ کہہ سکتے تھے متذکرہ بالا کے یہود کا قول معتبر ہے جنہوں نے نوشتوں کو جان کر مسیح اور وہ نبی کو علیٰحدہ کر دیا کیونکہ وہ نوشتوں سے واقف اور یہ بے چارے ناواقف، الخ۔

---

[1] ہمارے اس بیان پر عبد المجید صاحب نے پھر یہ لکھا تھا کہ یہ تو فرمایئے کہ ان تینوں شخصوں نے کبھی اپنے کلام کو کلام خدا کہا ہے یا ان کے خیر خواہوں نے ان کے کلام کو بھی خطوط پولوس مقدس کی طرح انہیں مانا ہے یا اس طرح کا لفظ بیان کیا ہے، فاتوبِسورۃٍ من مثلہ۔ سو واضح ہو کہ غرض اس سے نہیں کہ کسی نے اپنے کلام کو کلام خدا کہا ہے یا نہیں۔ مگر واقعی امر سے ہے کہ ان کی تصنیفات بھی ایسے پایہ پر ہیں کہ اپنی اپنی قسم میں نظیر نہیں رکھتیں۔ ایسا ہی ہم نے قرآن کی عربی عبارت کو بھی فرض کر لیا (کیونکہ فاتوبِسورۃٍ من مثلہ سے قرآن کی عبارت مراد ہونا مشتبہ معلوم ہوتا ہے)۔ پس اس حالت میں ان کو کلام خدا کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

واضح ہو کہ ان ہی یہود سے ہماری مراد ہے جنہوں نے اس امر میں اختلاف رائے ظاہر کی ۔ مگر حقیقت میں ان کی باتیں ایک ہی نتیجہ دکھاتی ہیں ۔ چنانچہ جنہوں نے وہ نبی کہا انہوں نے نہ جانا کہ وہ نبی اور مسیح ایک ہی ہے اور جنہوں نے مسیح کہاوہ بھی نا سمجھ رہے کہ مسیح وہی نبی ہے ،ورنہ ایسانہ کہتے ۔ پس وہ ناواقفی ہر دوقسم کے ذمے ہے ۔ دونوں نے مسیح اور وہ نبی کو علیٰحدہ سمجھا۔ لہٰذاایک کو دوسرے کی بہ نسبت معتبر کہنے کی گنجائش نہیں ہے ۔ پھر یہود کانوشتوں کی ان باتوں کو نہ جاننا جو آیندہ کی خبر دیتے تھے ،ایک تحقیقی امر ہے ۔ چنانچہ مسیح نے یہود کو نہ صرف اور باتوں کی ناواقفی پر ملامت کیا(متی ۲۲:۲۹) بلکہ اس موعودہ کی خبروں کی نسبت بھی نا سمجھ ٹھہرایا(دیکھو یوحنا۵:۴۵،۴۶ اور لوقا۲۴:۴۵)۔اس لئے اب مناسب ہے کہ دیدہ ودانستہ نا سمجھ نہ رہیں۔ قطع نظر اس سے جب یوحنا۶:۱۴ پر غور کرتے ہیں تو اس موقع پر ایسااختلاف نہیں پاتے ۔ مگر اس بیان سے یہ پایاجاتاہے کہ توریت اور انبیا کی اس قدر نبوتوں کے باوجود صرف ایک بڑے نبی کے آنے کی انتظاری تھی اور یہ بات دوسرے گمان کی مؤید ہے اور یہی گمان قوی ثابت ہوا۔ یوحنا بپتسمادینے والے نے بھی اسی مضمون کا سوال کیا تھا۔ پھر سامری عورت کے بیان پر بھی جو ہم نے پیش کیا تھاکچھ ایساہی بے موقع ذکر کرتے ہیں اور مطلب کی بات کا خیال ہی نہیں کیا، چنانچہ

قَولُہ۔ اس نیک بخت عورت نے تو وہ نبی کا نام تک نہیں لیا۔ صرف مسیح کو خرسٹس کہا تھااور خرسٹس لفظ یونانی ہے جس کا ترجمہ مسیح ہے۔

واضح ہو کہ ہم نے اس عورت کے بیان کی بابت لکھا تھا کہ مسیح کا آنا ان لوگوں یعنی سامریوں کو توریت ہی سے معلوم ہوااور استثناوالی خبر کے سوائے مسیح کی اس سے بڑھ کر صریح خبر کانشان نہ رکھتے تھے ۔ مگر عبدالمجید صاحب کے خیال شریف میں یہ بات نہ آئی اور نہ یہ کہ مسیح کا لفظ ان میں کہاں سے آیا۔ توریت (جس کے سامری پابند تھے) صرف ایک نبی کا پتا دیتی تھی اور عیسیٰ نے (بھی) اس سے کہا میں جو تجھ سے بولتا ہوں وہی ہوں۔ سو صاحب من آپ اس بات کازور پھر آزمائیں۔

مکرر آپ کو اس بات کا بھی خیال رہے کہ مسیح کوئی خاص نام نہ تھا۔ مگر آخر ایک آنے والے کالقب پڑ گیااور یہ لقب داؤد اور دانی ایل نے مشہور کیالیکن ضرور تھا کہ کسی مسیح کئے گئے کاپتا انہیں ہو اور وہ پتاوہ توریت میں پاتے تھے اور یہ بات کہ انبیا کی نبوتیں (مسیح کے حق میں) توریت کی نبوتوں کی تفصیل ہیں، انجیل سے بخوبی ظاہر ہے ۔پس اگر سامری بھی مسیح اور اس ایک نبی کو ایک ہی نہ جانتے تو غیر مسیح کی امید نہ رکھتے اور نہ یہ لفظ اس ایک نبی پر بولتے۔

قَولُہ۔ رہا قول فیلبوس کا، اگر آپ کے نزدیک بلا دلیل معتبر ہے تو اَور مذہب میں کیا کیڑے پڑ گئے ہیں جو اس مذہب کے پیروؤں کا قول معتبر نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ اگر اس کے قول کا اعتبار نہیں تو ان کا گمان جن میں سے بعض نے وہ نبی اور بعض نے مسیح کہا مطلق معتبر نہ ہو گا۔ ہمارا مطلب تو ان اقسام خیالات کے بیان کرنے سے یہ تھا کہ اس وقت لوگوں میں اختلاف واقع ہوا۔ جس طرح کوئی ان اخبار قدیم کو سمجھا اسی طرح بیان کیا۔ بعض نے ان سے مختلف شخصوں کی طرف اشارہ سمجھا اور بعض نے سب سے ایک ہی کی طرف اور کہ وہ اختلاف دفع ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ جیسوں کے خیالات کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر نہ سمجھو تو ہمارا کیا اختیار ہے اور فیلبوس کی بابت یاد رہے کہ وہ اخبار عہد عتیق کو ایسا ہی سمجھے ہوئے تھا اور جب اس پر واضح ہوا کہ عیسیٰ وہ شخص ہے، تب اس نے اوروں پر بھی وہی بیان ظاہر کیا اور یہ بات اس نے تب ظاہر کی جب مسیح نے اسے کہا کہ میرے پیچھے ہو لے۔ پس اس پیروی میں وہ اس بات کی تصدیق بھی حاصل کر سکتا تھا اور مسیح نے خود اس کے قول کے موافق فرمایا تھا، جیسا ہم نے اقوال مسیح میں بیان کیا۔ بدیں جہت اس کا قول معتبر ثابت ہوتا ہے۔ بایں ہمہ خیال رہے کہ اور مذہب میں کیڑے پڑ جانا بھی کچھ عجب نہیں اور یہ اس حال میں جب پیشوا کو ایک بات کی خبر نہ ہو اور پیرو تیرہویں صدی میں اسے اس کی خبر دیں یعنی سست مدعی (مدعی بھی کہاں) کے چست گواہ بنیں۔ پس آپ کے جواب کا جو ہمارے جواب کے تمہیدی حصہ پر تھا یہ حال ہے، اب باقی ماندہ کا حال بھی سنیئے گا۔ اقوال مسیح میں ہم نے بیان کیا کہ اخبار توریت وانبیا کو مسیح نے اپنے اوپر صادق ٹھہرایا مگر آپ ان سے کیوں منہ پھیر گئے۔ صرف کہہ دیتے کہ معتبر نہیں ہیں تو آپ کی طرف سے یہ جواب ہو جاتا اور رسولوں کے اقوال کی نسبت تو ایسی تحریر سے نہ چوکے۔ چنانچہ پطرس رسول کی نسبت ایسا ہی لکھتے ہو۔ مگر انجانے میں ثابت کرتے ہو کہ استثناوالی خبر مسیح کی خبر ہے۔

قَولُہ۔ دوسرے یہ کہ جب جناب پطرس خود آپ کے نزدیک معتبر شخص نہیں تو ہمارے لیے ان کا قول سند ہو سکتا ہے۔ آپ کو پطرس کا قول ہی لکھنا مناسب نہ تھا، الخ۔ اس پر متی ۲۶: ۷۴ کا حوالہ دیا ہے جہاں پطرس کے انکار کا ذکر ہے اور گلتیوں کے خط ۲: ۱۱ جس میں پطرس کے ملامت کیے جانے کا بیان ہے۔

دیکھئے صاحب آپ کو اس کے انکار کا اعتبار آ گیا اور اقرار کا اعتبار نہ آیا۔ یہ کیا چالا کی ہے۔ پس مقام مقدم کی بابت معلوم ہو کہ حواری ہنوز مسیح کے اقوال وافعال کے گواہ ہونے پر بالیقین آمادہ نہ ہوئے تھے۔ مگر جب مسیح مردوں میں سے جی اٹھا اور روح قدس ان پر نازل ہوا، تب انہوں نے بالیقین وہ گواہی دی جو انجیل میں شروع سے آخر تک مندرج ہے۔ پس حالت سابقہ میں پطرس نے مسیح سے انکار کیا مگر باب ۲۶ کی آخری آیت میں ہے کہ جب اس کو یسوع کی بات یاد آئی تو باہر جا کے زار زار رویا۔ پھر جب مسیح مردوں میں سے جی اٹھا تو تین بار پطرس نے مسیح کے روبرو اقرار کیا کہ خداوند میں تجھے پیار کرتا ہوں اور مسیح نے اسے گلہ بانی سپرد کی۔ بعد اس کے روح القدس رسولوں پر نازل ہوا تو پطرس نے وہ باتیں بیان کیں جو اقوال رسل میں مذکور ہوئیں۔ پس پطرس کا انکار اس شہادت پر اثر نہیں کرتا۔ وہ انکار اس کے دل کی کمزوری سے ہوا تھا اور یہ شہادت اس نے امداد ربانی سے دی اور اگر کچھ اثر کرتا ہے تو یہ کہ اس کی گواہی کو اور بھی معتبر ٹھہراتا ہے کہ جس نے پہلے شک کیا اور انکار کیا اب قائل ہوا انہیں باتوں کا بیان بالثبوت کرتا ہے۔ اس لیے جب اس کے انکار سے اعتبار کم ہو تو اس کے اقرار وغیرہ سے قائم ہوتا ہے اور آپ

جیسوں کی ایسی تحریر اس دفیع انکار کی رو سے تب ہی دفع ہو چکی تھی۔ لہٰذا آپ کا کہنا کہ پطرس خود آپ کے نزدیک معتبر شخص نہیں، سراسر غلط ہے کیونکہ پطرس ہمارے نزدیک معتبر شخص ہے۔

پھر پطرس کا ملامت کیا جانا اس کی اپنی ذاتی دلی کمزوری کے سبب ہوا اور ہمارا اعتبار اس کے ان کاموں اور قولوں پر ہے جو روح قدس کی مدد سے ہوئے اور نوشتوں کی شرح رسول اسی قوت ربانی سے کیا کرتے تھے۔ پس یہ دونوں باتیں پطرس کے اعتبار سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں۔ اس کے بیان جو پیش نظر ہیں روح کے بیان ہیں۔ ہاں مسیح کے سکھائے ہوئے بیان ہیں جن میں مطلق شک نہیں ہے۔

قَولُہٗ۔ آپ نے جناب مسیح کو مانند موسیٰ تیزی عقل سے بنایا ہے، مگر یہ خیال آپ کا محال در محال بلکہ محض وہم وخیال ہے کیونکہ اس کی طاقت بے حد ہے۔ ہم اس کی کاریگری ہیں (دیکھو صفحہ ۹۳ نورافشاں جلد ۸ مطبوعہ ۱۸ مارچ ۱۸۸۰ء)۔ بھلا عیسائی تو مسیح کی کاریگری ٹھہرے، حضرت موسیٰ کی کاریگری کون سی مخلوق ہے۔ اگر کوئی مخلوق کاریگری موسیٰ کی نہ ہو تو حضرت مسیح کیونکر مانند موسیٰ کے ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب سنبھل کر لکھئے، الخ۔

آپ بھی ذرا حواس قائمہ سے سنیے کہ جب موسیٰ اور مسیح میں موافقت بتائی جاتی ہے تو مسیح کی الوہیت سے نہیں مگر انسانیت سے اور اس حالت میں ہو کر مسیح کا رسول ہونا مسلم ہے، جیسا اس نے خود فرمایا اور اقوال رسل سے بھی مصرح ہے (دیکھو اعمال ۲:۲۲ اور یوحنا ۵:۲۶۔۳۸)۔ پھر جب پولوس رسول موسیٰ اور مسیح میں مشابہت بیان کرتا ہے تو اس کی ذاتی منزلت کو یگانہ ٹھہراتا ہے کہ "مُوسیٰ تو اُس کے سارے گھر میں خادِم کی طرح دِیانت دار رہا تا کہ آیندہ بیان ہونے والی باتوں کی گواہی دے۔ لیکن مسیح بیٹے کی طرح اُس کے گھر کا مُختار ہے اور اُس کا گھر ہم ہیں بشرطیکہ اپنی دِلیری اور اُمید کا فخر آخِر تک مضبُوطی سے قائم رکھّیں" (عبرانیوں ۳:۵،۶)، انتہیٰ۔ پر پیشتر اس سے جب رسول مسیح کی رسالت اور کہانت کا ذکر کرتا ہے تو یوں کہتا ہے "۔۔۔ اُس رسُول اور سردار کاہِن یِسُوع پر غَور کرو جِس کا ہم اِقرار کرتے ہیں۔ جو اپنے مُقرّر کرنے والے کے حق میں دِیانتدار تھا جس طرح مُوسیٰ اُس کے سارے گھر میں تھا" (آیت ۱،۲)۔ اس سے معلوم کرو کہ مسیح کیونکر موسیٰ کی مانند ٹھہرایا جاتا ہے اور یاد رہے کہ موسیٰ کی خبر میں موجود ہے کہ میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ پس مشابہت بھی عہدہ نبوت میں ہے نہ کہ ادھر ادھر کی باتوں میں، کیونکہ سکندر اعظم بھی کئی ایک باتوں میں موسیٰ کے موافق ہو سکتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ استثناوالی خبر مسیح پر صادق آتی ہے کیونکہ علاوہ ان حوالوں کے جو ہم نے بیان کیے تھے مسیح نے موسیٰ اور سب نبیوں سے شروع کر کے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اس کے حق میں ہیں ان کے لیے تفسیر کیں (لوقا ۲۴:۲۷)۔ غور کرو کہ اس حال میں حضرت محمد صاحب کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اب آپ کے دعویٰ کے لئے دیر ہو گئی ہے اور یہ بھی ہم آپ سے کہے دیتے ہیں کہ یہود کے خیالوں پر کہیں دھوکا نہ کھانا کیونکہ انہوں نے اپنے خیالوں سے آپ کئی مرتبہ فریب کھایا اور کھلایا ہے۔ عہد عتیق کی صحیح تفسیر عہد جدید میں موجود ہے۔ اس کو پڑھو اور بچو۔

دوسرا حصہ

فارقلیط پر گفتگو

یعنی محمد عبد المجید صاحب ضلع گوداوری کے دعویٰ کی تفتیش

منشور محمدی مطبوعہ ۲۵ ذیقعد ۹۷ہجری نمبر ۳۳ جلد ۹ میں محمد عبد المجید صاحب (از ایلور ضلع گوداوری) نے کم ترین کے مضامین دربارہ عدم ضرورت قرآن کا جواب تحریر فرمایاہے اور کہتے ہیں کہ آپ کی عدم ضرورت نبی و قرآن مجید کے لکھنے سے حضرت مسیح اور کتاب مقدس پر نقص لازم آتے ہیں اور ان آیات انجیلی کو پیش کیاہے جن میں مسیح نے روح القدس کا وعدہ فرمایاہے اور آپ ان کو حضرت محمد صاحب کے حق میں بتاتے ہیں اور اس سے محمد اور قرآن کی ضرورت نکالتے ہیں۔پس ہم ان کی وجوہات کی تفتیش کرکے ناظرین حق شناس پر واضح کرتے ہیں کہ مسیح کی مراد محمد سے نہیں ہے بلکہ روح قدس سے ہے جو انہیں ایام میں رسولوں پر نازل ہوا اور یوں کسی دوسرے فرضی نبی معود کو خارج کیا۔

قَولُہ۔ لفظ فارقلیط کہ جس کاترجمہ محمد [1] ہے اور اگرچہ مترجموں نے اس ترجمہ کا تسلی دینے والا روح القدس، روح الصدق حاکم، جہان کا سردار وغیرہ کیے ہیں، مگر تاہم ہمارے نبی مطلب کی تائید ہے۔

---

[1] اگر محمد کی لفظی خبر کا پتا لگانا چاہو تو ایسا کرو جیسا آپ سے پہلے مولوی رحمت اللہ صاحب مولف اعجاز عیسوی کر گئے ہیں یعنی انجیل برنباس جعلی کو اس خبر کی خاطر الہامی اور سچی قرار دے گئے ہیں اور انجیل مقدس پر ایسے لغو ترجمے مت جماؤ۔انجیل میں محمد ﷺ کی نیک خبر ندارد ہے۔البتہ مسیح الدجال کی خبر تو ہے اور مسیح الدجال وہی ہے جو باپ اور بیٹے کا انکار کرتا ہے ا۔یوحنا ۴: ۲۴ اور یہ محمد ﷺ نے کیا۔

اس پر منشور محمدی مطبوعہ ۲۵ جمادی الاول ۹۸ہجری نمبر ۱۵ جلد ۱۰ میں یہ لکھا گیا کہ مثل مشہور ہے "دوروغ گویم برروئے تو" منہ پر جھوٹ بولنا اسی کو کہتے ہیں۔ ٹھاکرداس کو لازم ہے کہ اس صفحہ وسطر کا نام ونشان لکھیں کہ جس میں مولوی رحمت اللہ صاحب نے انجیل برنباس کو الہامی قرار دیاہے۔بہت بہتر صاحب دیکھئے اعجاز عیسوی مطبوعہ ۱۸۵۳ء صفحہ ۵۹۴ کے اوپر سے پانچویں سطر میں مولوی صاحب یوں لکھتے ہیں۔اگر شیطان لعین جو بنی آدم کا دشمن ہے تم کو اس دھوکے میں ڈالے کہ برنباس کی انجیل جعلی ہے اور اس کو تمہاری کونسل اور کمیٹی نے خدا کا کلام نہیں ماناہے تو تم لاحول پڑھو اور خدا سے دعا مانگو کہ تم کو شیطانی وسواس سے چھڑا کے عقل سلیم عطا کرے اور یہ شک جو صریح بے اصل و بے بنیاد ہے تمہارے دل سے نکالے۔کہو صاحب اس عبارت سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ کس بات پر لاحول پڑھیں؟ انجیل برنباس کو جعلی کہنے اور خدا کا کلام نہ ماننے پر غرض یہ کہ اس کو جعلی نہ مانو لیکن سچی اور خدا کا کلام مانو۔پھر اسی عبارت سے اظہر ہے کہ انجیل برنباس کو جعلی ماننا اور خدا کا کلام نہ ماننا شیطانی وسواس اور بے بنیاد شک ہے اور اس وسوسہ اور شک سے چھڑانے کے لئے عقل سلیم کی تحصیل کے لئے دعا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔اب کہو مولوی صاحب نے اس انجیل کو الہامی اور سچی مانا یا نہ مانا۔پھر عبارت مسطورہ کے مابعد عبارت میں یوں کہتے ہیں۔دیکھو برنباس کی انجیل ایک پرانی کتاب ہے اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے مبعوث ہونے سے سیکڑوں برس پیشتر کی ہے۔کیونکہ دوسری تیسری صدی کے عیسائیوں کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوا ہے تو بھلا پھر غور فرماؤ کہ اتنے دنوں پیشتر اس میں جعل کیونکر ہوگیا اور جعل بھی ایسا ہوا جو طاقت بشری سے باہر ہے اور بدون الہام الٰہی وہ جعل ہونا ہرگز خیال میں نہیں آتا۔دیکھو انہیں جعلی باتوں کو الہامی مانتے ہیں۔اگر اس کا مصنف بہ ہیئت اس جعل کے الہامی ٹھہرتا ہے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ اس قصہ کو لکھنے والے کو لکھتے لکھتے صرف ایسی بات کا الہام ہوگیا ہو۔باقی تصنیف کیوں غیر الہامی ٹھہرے گی۔پس بقول مولوی صاحب انجیل ہٰذا الہامی ٹھہرتی ہے۔کم ترین نے جس قدر موجودہ مضامین انجیل ہٰذا کو دیکھا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انہیں باتوں یا اسی قسم کی باتوں کا ذکر ہے جو قرآن میں مسیح کے متعلق ٹھہرائی ہیں یعنی مسیح کا محمد کی خبر دینا اور اس کا مصلوب نہ ہونا وغیرہ اور ان میں کوئی اور ایسی بات ہی نہیں جس کو مولوی صاحب غیر الہامی خیال کرسکتے۔ اس لئے اس جعل کی طاقت بشری سے باہر کہہ دیاہے۔سو صاحب اس احقر نے جھوٹ نہیں کہا آپ کی ناواقفی نے یہ اتہام آپ سے بکوایا ہے۔کم ترین ایک اور بات سے ناظرین کو مطلع کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ مولوی رحمت اللہ نے اس انجیل کو نہ صرف الہامی اور سچی کہنے میں غلطی کی ہے بلکہ ان کا یہ قول بھی غلط ہے کہ دوسری اور تیسری صدی کے عیسائیوں کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوا ہے کیونکہ پہلی چار صدیوں کے عیسائیوں نے انجیل ہٰذا کا ذکر نہیں کیا، جانتے بھی نہ تھے۔لیکن پانچویں صدی کے آخر میں گلے سیئس کا فتویٰ تیار ہوا اور اس میں یہ انجیل جعلی کہی گئی ہے۔اب منشور محمدی پر واجب ہے کہ انصاف سے بتائے کہ یہ مثل "دورغ گویم برروئے تو" کس پر صادق آتی ہے۔

واضح ہو کہ یونانی لفظ"Παρακλητοϖ"(پاراکلیٹاس) جو انجیل یوحنا۱۴:۱۶ میں مستعمل ہوا ہے اور جس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے۔اس کا ترجمہ محمد نہیں ہے۔ یہ غلط بات ہے اور اس لفظ کے اور معنی یہ ہیں یعنی وکیل، مددگار اور اس معنی سے یہ لفظ یوحنا کے پہلے خط ۲:۱ میں مسیح کے حق میں بولا گیا ہے۔ مگر وہ لفظ جس کے معنی محمد ہیں وہ"Περικλυτοϖ"(پیری کلوٹاس) ہے۔ان دونوں لفظوں کا مصدر بھی جدا ہے۔ پھر واضح ہو کہ مترجموں نے لفظ مقدم کا ترجمہ روح القدس اور روح الصدق نہیں کیا، مگر اول مسیح نے اور پھر مقدس راویوں نے اس تسلی دینے والے روح القدس اور روح حق کے نام سے بیان کیا ہے یعنی یہ اسی تسلی دینے والے کے اور نام ہیں نہ کہ پاراکلے ٹاس کے مختلف معنی ہیں جیسا آپ کہتے ہیں اور جہان کا سردار لکھتے وقت چاہیئے تھا کہ اس آیت کا پتا دیتے جہاں یہ لفظ روح القدس یا تسلی دینے والے پر بولا گیا ہے، کیونکہ یوحنا۱۲:۳۱ میں ہے"اس جہان کا سردار نکال دیا جائے گا"۔ پھر ۱۴:۳۰ میں ہے"اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں"۔ پھر ۱۶:۱۱"عدالت کے بارے میں اِس لئے کہ دُنیا کا سردار مُجرم ٹھہرایا گیا ہے"اور بھی دیکھو ۲۔کرنتھیوں ۴:۴ اور افسیوں ۱۲:۶۔ان مقاموں میں جہان کا سردار اور حاکم شیطان پر بولے گئے ہیں۔ آپ کی کس سردار سے مراد ہے؟ کیا انہیں مقاموں کی طرف اشارہ ہے؟ اگر ہے تو خوب ہے۔

قَولُہ۔ اگر عیسائی یہ اعتراض کرے کہ لفظ فارقلیط شیطان کے لئے بولا گیا ہے تو میں جواب دیتا ہوں یہ اعتراض اس کا سراسر غلط ہے۔

ہاں صاحب اس پاراکلی ٹاس کو شیطان سمجھنا سراسر غلط ہے، مگر بتایئے کہ کس عیسائی نے یہ اعتراض کیا یا آپ ہی گھڑ گھڑ کے ان کے ذمے لگاتے ہو۔عیسائی یہ اعتراض ہرگز نہیں کرتے۔اس لیے آپ کی باقی تشریح سب رائیگاں ٹھہری۔خوانخواہ ایک کالم سیاہ کر ڈالا ہے۔ مگر اس تشریح میں سے ایک بات کا اظہار ہم کئے بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ

قَولُہ۔ کیونکہ آنحضرتصاحب نے ان لوگوں کو جو حضرت مسیح کو رسول نہیں جانتے تھے اور ان کی رسالت کے قائل نہیں ہوئے تھے، سزا دی وغیرہ۔

صاحب من یہ کام تو حضرت کے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ایسا کہ زمانہ مسیح کے (یہودی) منکروں نے ایسی سزا پائی کہ ملک سے بے ملک ہوئے ، قوم ہونے سے موقوف ہوئے، ہزار ہا برباد ہوئے اور ان کی نسل آج تک اس سزا کا اثر بھوگ رہی ہے۔ حضرت نے کیا سزا دی مارے ہوؤں کو مارا۔ وہ بھی اپنے مطلب کے لئے اس میں مسیح کی کیا خاطر داری کی۔ اگر آپ اس امر سے خوب واقف ہوتے تو ایسا خیال ہرگز نہ کرتے کیونکہ حضرت پہلے تو یہود کی خاطر داری کرتے رہے اور ان کے طریق کی باتیں اختیار کیں، جیسے نماز کا رخ بیت اقصیٰ کی طرف وغیرہ۔ لیکن جب دیکھا کہ یہودی میری رسالت نہیں مانتے اور راضی نہیں ہوتے اور دھوکے دیتے ہیں (سورہ بقر آیت ۱۲۰ اور بنی اسرائیل آیت ۷۸) تو ان کو لعنتی اور بے ایمان کہنا شروع کر دیا (سورہ نسار کوع ۴۲ آیت ۴۳) اور آخر ان سے لڑائی شروع کر دی۔

قَولُہ۔ اگر پھر کوئی عیسائی یہ اعتراض کرے کہ تسلی دینے والے سے روح القدس مراد ہے تو میں پھر یہی جواب دیتاہوں کہ یہ دعویٰ بھی ان کا غلط ہے، کیونکہ روح القدس کبوتر کی شکل میں حضرت مسیح پر پہلے ہی نازل ہو چکا ہے (مرقس باب ۱۰) اور خود حضرت مسیح آسمان پر جانے سے پیشتر روح القدس اپنے حواریوں کو دے چکے تھے (یوحنا ۲۰: ۲۲) تو پھر اس صورت میں روح القدس کا نازل ہونا غلط ہے کیونکہ روح القدس تو حواریوں میں موجود تھا، پھر نازل ہونے کی کیا حاجت تھی۔

واضح ہو کہ یہ بات صحیح ہے اور آپ کا اسے غلط کہنا غلط ہے کیونکہ روح القدس کے متفرق کام ہیں۔ چنانچہ مسیح پر بشکل کبوتر نازل ہونا اس لیے ہوا کہ مسیح کو نہ صرف ممسوح کرے (اعمال ۱۰: ۳۸) بلکہ یوحنا کو اوراوروں کو بھی یقین ہو کہ مسیح خدا کا بیٹا اور وہی ہے جو آنے والا تھا (یوحنا ۱: ۳۳، ۳۴)۔ اسی طرح یوحنا ۲۰: ۲۲ میں وہ بات حاصل نہیں ہے جو پینتی کوست کے دن واقع ہوئی، یعنی وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں جیسی روح نے انہیں بولنے کی قدرت بخشی بولنے لگے (اعمال ۲: ۴)۔ پس معلوم کرو کہ روح القدس کا وقت بوقت دیا جانا خاص مطلب سے خالی نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ خدا کا روح انبیائے سابقین کے ساتھ پہلے بھی ہوا کرتا تھا، مگر وہ شراکت اس نزول کی مانع نہیں پھر روح القدس کے حواریوں میں موجود ہونے سے کیا سمجھتے ہو۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ روح القدس کی برکتیں جداگانہ اور بتدریج ہوا کرتی ہیں۔ پینتی کوست کے دن سے پیشتر ایک برکت انہیں دی گئی مگر یہ اور ضروری برکتوں کو نہیں روکتی۔ پس روح القدس کا بلحاظ زمانہ کے (یعنی پہلے یا پیچھے کے) کسی میں موجود ہونا روح کی کسی برکت یا برکتوں کا موجود ہونا ہے، نہ یہ کہ روح القدس اس میں یا ان میں گھس گئی اور پھر باہر نہ نکلی۔ علاوہ اس کے یاد رہے کہ تسلی دینے والے سے ضرور روح القدس ہی مراد ہے۔ دیکھو یوحنا ۱۴: ۲۶ "لیکن وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے، الخ"۔ اگر غور کر کے دیکھو تو یہی ایک ہی فقرہ آپ کی ساری چوں چراں کو دور و دفع کرتا ہے۔

قَولُہ۔ پھر اگر کوئی عیسائی یہ کہے کہ اس وقت روح القدس تھوڑا ملا تھا مگر مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد از کامل روح القدس ملا، تب بھی میں اس کہنے کو غلط جانتا ہوں کیونکہ خدا کچھ پیمائش کر کے روح نہیں دیتا (یوحنا ۳: ۳۴ فقرہ)۔

واضح ہو کہ تھوڑا یا بہت کہنا تو آپ کی بات ہے۔ مگر حقیقت حال وہ ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا یعنی روح القدس کا وقتاً فوقتاً دیا جانا روح کی خاص برکتوں اور نعمتوں کا دیا جانا ہے جو مختلف اور بتدریج ہوا کرتی ہیں اور حواریوں کو بھی اسی طریق سے عطا ہوئیں۔ "نعمتیں تو طرح طرح کی ہیں مگر رُوح ایک ہی ہے۔ اور خِدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خُداوند ایک ہی ہے۔ اور تاثیریں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خُدا ایک ہی ہے جو سب میں ہر طرح کا اثر پَیدا کرتا ہے۔ لیکن ہر شخص میں رُوح کا ظُہور فائِدہ پہُنچانے کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک کو رُوح کے وسیلہ سے حِکمت کا کلام عِنایت ہوتا ہے اور دُوسرے کو اُسی رُوح کی مرضی کے مُوافِق عِلمیّت کا کلام۔ کسی کو اُسی رُوح سے اِیمان اور کِسی کو اُسی ایک رُوح سے شِفا دینے کی تَوفیق۔ کِسی کو معجزوں کی قُدرت کسی کو نبوت۔ کسی کو رُوحوں کا اِمتیاز۔ کسی کو طرح طرح کی زبانیں۔ کسی کو زبانوں کا ترجمہ کرنا۔ لیکن یہ سب تاثِیریں وُہی ایک رُوح کرتا ہے اور جِس کو جو چاہتا ہے بانٹتا ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۱۲: ۴۔ ۱۱)۔ "اور ہم میں سے ہر ایک پر مسیح کی بخشش کے اندازہ

کے مُوافِق فضل ہُوا ہے"(افسیوں ۴:۷)اور وہ حوالہ جو آپ نے پیش کیا ہے سو یاد رہے کہ وہ بات مسیح اپنے حق میں کہتا ہے، نہ کہ ہر ایک انسان کے۔ کیونکہ جیسا بیان ہوا انسانوں کو روحانی برکات اندازے کے موافق ملتی ہیں" اور کلام مُجسّم ہُوا اور فضل اور سچّائی سے معمُور ہو کر ہمارے درمیان رہا۔۔۔"۔ "کیونکہ اُس کی معمُوری میں سے ہم سب نے پایا یعنی فضل پر فضل"(آیت ۱۶)۔ "کیونکہ باپ کو یہ پسند آیا کہ ساری معمُوری اُسی میں سکُونت کرے"(کلسیوں ۱:۱۹)۔

قَولُہ۔ پھر اگر کوئی عیسائی یہ کہے کہ روح القدس سے حضرت جبرائیل مراد ہے تب بھی میں اس دعویٰ کو غلط جانتا ہوں، الخ۔

یہ بات آپ کی ایک اور بناوٹ ہے۔ عیسائی ہرگز روح القدس سے جبرائیل مراد نہیں لیتے۔ روح القدس کو جبرائیل کہنا محمدیوں کی اصطلاح ہے۔ چنانچہ سور بقر آیت ۲۵۳ رکوع ۳۳ میں ہے "اور زور دیا اس کو (عیسیٰ کو) روح پاک سے"۔ اس پر سیل صاحب (مترجم قرآن انگریزی) جلال الدین وغیرہ کے اعتبار پر لکھتے ہیں کہ ہم یہ خیال نہ کریں کہ محمد صاحب اس جا روح القدس کو مسیحی مسلم معنوں میں سمجھتا ہے۔ مفسر کہتے ہیں یہ روح پاک جبرائیل فرشتہ تھا جس نے عیسیٰ کی تقدیس کی اور ہمیشہ اس کی خدمت کرتا تھا۔ پس صاحب آپ کا ہیکو ایسے اعتراض عیسائیوں کی طرف گانٹھ رہے ہیں۔

قَولُہ۔ اگر تسلی دینے والے سے روح القدس مراد ہوتی تو مولٹانس نے کیوں دعویٰ کیا کہ میں تسلی دینے والا ہوں اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

مولٹانس نے اس لئے ایسا دعویٰ کیا کہ بدعتی شخص تھا اور انجیل کے برخلاف کرنا چاہا۔ معلوم ہوا کہ آپ کو کوئی اور ٹھکانہ نہ ملا تو ایک ملحد کے دعویٰ کو سند سمجھا ہے اور انجیل یوحنا ۱۴:۲۶ کے بیان سے کتراتے جس میں موجود ہے کہ وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے، الخ اور نہ آپ کو جمہور متقدمین کی پرواہ رہی اس لئے کہ ایک ملحد کا دعویٰ جو نظر پڑا۔ مگر تس پر (اس پر) بھی دیکھئے صاحب کہ حضرت محمد صاحب نے تو وہ تسلی دینے والا ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا، لیکن ایک غلط قول مسیح کے ذمے لگایا جو سورہ صف میں مذکور ہے یعنی احمد نامے ایک رسول کی خبر۔ حالانکہ مسیح نے ایک تسلی دینے والا یعنی روح القدس کی خبر دی تھی اور اس قول کو محمد کے حق میں بیان کرنا صریح کفر ہے۔ پھر اس کے بعد تیسری صدی میں مانیز فارسی (یا کسدی) نے بھی یہ دعویٰ اسی طرح کیا لیکن ان کے اس دعویٰ کرنے سے یعنی روح القدس اور تسلی دینے والے میں امتیاز کرکے اپنے اپنے تئیں تسلی دینے والا قرار دینے سے ان کا کچھ مطلب تھا۔ چنانچہ مولٹانس نے یہ سمجھا کہ مسیح اور اس کے شاگردوں نے ایک غیر مکمل طریقہ سکھایا تھا اور آپ اس کی تکمیل کرنے کا ارادہ کر بیٹھا اور اس کام کے لئے وہ تسلی دینے والا ہونے کا دعویٰ کیا اور مانیز نے جب مسیحی کتابیں دیکھیں اور اپنے پرانے طریق کے موافق اور مخالف سمجھا تو عیسویت کو اپنے دجالی طریق کے ساتھ مخلوط کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مطلب کی تحصیل کی سہولت کے واسطے اس نے (یہ کہہ کر کہ مسیح نے طریق نجات جو کامل طور سے بیان نہیں کیا) دعویٰ کیا کہ میں وہ تسلی دینے والا ہوں جس کا مسیح نے وعدہ کیا تھا اور اپنے اس اور اَور واہی خیالوں کی تائید اور تشریح کے لئے اس نے اناجیل میں خرابیاں پڑ جانے کا دعویٰ کیا اور اعمال رُسل کو

بالکل رد کیااور ان کے عوض میں ایک اپنی انجیل ارنگ نامے قائم کی۔ پس صاحب ان کی نیت میں فرق تھااور نہ ایسا دعویٰ نہ کرتے۔ اب کہیئے کیا ایسوں کی سمجھ کو سند سمجھ چکے ہو۔ اگر ان کا دعویٰ صحیح ہے تو ان پر سے ہٹا کے حضرت محمد پر کیوں جماتے ہو۔ انہی کو وہ تسلی دینے والا ہونے دو۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی، اپنی اپنی کتابیں بھی چلائیں اور مولٹانس نے نبوتیں بھی کیں وغیرہ تو انہیں کو وہ موعودہ کیوں نہیں مان لیتے اور ناحق اس تذبذب میں پڑتے ہو کہ ان بدعتیوں نے تسلی دینے والا ہونے کا دعوی کیااس لیے محمد وہی تسلی دینے والا ہے۔ اس سے تو محمد صاحب مثل ان کے ایک بدعتی ٹھہریں گے اور مسیح ایسے لوگوں کے حق میں عمدہ خبر کیونکر دے سکتا تھا۔ اپنے بعد آنے والے مخالفوں کو اس نے اور ہی ناموں سے بیان کیا ہے، نہ کہ تسلی دینے والے، روح حق اور روح القدس سے۔

قَولُہ۔ پھر اگر کوئی عیسائی کہے کہ سننے والے سے بھی روح القدس مراد ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا بھی اس کا غلط ہے کیونکہ بموجب عقائد عیسائیوں روح القدس خود خدا ہے تو پھر وہ کس سے سنتا ہے اور اس صورت میں کہنے والا روح القدس سے بھی بڑا ٹھہرا۔

اگر عیسائیوں کے پورے عقیدے کو خیال کرتے تو معلوم کرتے کہ کس سے سنتا ہے یعنی تثلیث کا ایک اقنوم دوسرے سے سنتا ہے اور دوسرا اس سے کہتا ہے۔ مگر ثلاثہ اقانیم کا باہم بولنا اور سننا ان کے ذاتی الٰہی طرز پر ہے جس کو انسان معلوم نہیں کر سکتا اور نہ انسانی طریق پر ہے۔ البتہ انسانی محاورہ ان پر لگایا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کی ہم کلامی انسان کے لیے ایک اسرار ہی ہے یعنی کس طرح اقانیم تثلیث کہتے اور سنتے ہیں بیان نہیں ہو سکتا اور اس لیے ان کے چھوٹے اور بڑے ہونے کا خیال بھی انسانی خیال ہے جو ان پر صادق نہیں آتا۔

آخر میں ہم صرف چند مقامات کا مقابلہ کر کے بخوبی ظاہر کرتے ہیں کہ تسلی دینے والا اور روح القدس میں تمیز نہیں ہو سکتی اور کہ وہ ایک ہی موعود کے متفرق نام ہیں۔ دیکھو یوحنا۱۴: ۱۶، ۱۷ "۔۔۔وہ تمہیں دُوسرا مددگار (تسلی دینے والا)۔۔۔یعنی رُوحِ حق ۔۔۔"۔ "لیکن مددگار یعنی رُوحُ اُلقدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔۔۔" (۱۴: ۲۶)۔ "لیکن جب وہ مددگار آئے گا۔۔۔یعنی روحِ حق جو باپ سے صادِر ہوتا ہے۔۔۔" (۱۵: ۲۶)۔ ان تینوں مقاموں سے معلوم کرو کہ مددگار (تسلی دینے والا)، روح حق اور روح القدس ایک ہی ہے۔ مقدس راوی ان کے امتیاز سے ناواقف ہیں۔ اگر دو موعود مقصود ہوتے تو رسول ایسا ہی کہتے اور کرتے اور مسیح بھی فرما دیتا کہ ایک موعود تو آیا کہ آیا اور دوسرا چھٹی صدی میں آئے گا یا کسی اور طرح سے دونوں میں فرق ظاہر کر دیتا۔ پس صاحب آپ کی ہر ایک وجہ کی تفتیش ہو چکی، اس سے آپ خوب سوچ کر معلوم کرو کہ نبی اور قرآن کی عدم ضرورت ٹھیک بات ہے۔